ماہنامہ مجلہ

حیاتِ نو

بلریاگنج

"امتوں کی خرابی اور تباہی کا بڑا سبب تین جماعتوں کا خراب و بے راہ ہونا اور اپنے فرائض کو چھوڑ دینا ہے۔ علماء، مشائخ اور امراء و رؤساء۔ ابن المبارکؒ نے خوب فرمایا: ھل افسد الدین إلا الملوك و احبار سوء و رھبانھا۔"

(حاشیہ شبیر احمد عثمانیؒ ص ۲۵۳)

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلہ

حیات نو

بلریاگنج

جلد نمبر ۱۷	محرم الحرام ۱۴۲۱ھ اپریل ۲۰۰۰ء	شمارہ ۴

مدیر مسئول نور محمد فلاحی	**معاون مدیر** انیس احمد فلاحی مدنی
❁ سالانہ زر تعاون : ۶۰ روپے ❁ خصوصی زر تعاون : ۱۰۰ روپے ❁ بیرون ملک : ۲۵ امریکی ڈالر	❁ طلبہ کے لیے : ۴۰ روپے ❁ اعزازی زر تعاون : ۱۰۰۰ روپے ❁ قیمت فی شمارہ : ۶ روپے

◯ اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے
لہٰذا جلد از جلد سالانہ زر تعاون ارسال فرمائیں۔

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

ترسیل زر کا پتہ

ماہنامہ مجلہ حیات نو ، جامعۃ الفلاح
بلریاگنج ، اعظم گڑھ (یوپی) ۲۷۶۱۲۱
✆ : 05466-25115

نقوش حیات نو

☆ اداریہ

ماہ محرم کا پیغام — انیس احمد مدنی — ۳

☆ بحث و نظر

احادیث کی روشنی میں عورتوں کے مساجد میں آنے کا مسئلہ — مفتی عظیم رحمانی — ۵

☆ فرق اسلامیہ

"بہائیت" ایک مختصر تعارف — دانش ریاض فلاحی — ۲۰

☆ مذاہب عالم

ہندومت (۸) مہابھارت — انیس احمد فلاحی — ۳۵

☆ اخبار امت

بوسنیا: جنگی جرائم، سرب سازشیں — ظہیر الدین بحضنی — ۳۸

☆ وعظ و ارشاد

چند سعید روحوں کا قبول اسلام — ادارہ — ۴۳

☆ فقہ و فتاویٰ

مندروں، کلیساؤں اور چرچ میں نماز ادا کرنے کا حکم — ابو ارقم فلاحی — ۴۵

☆ جامعہ کے لیل و نہار

جمعیۃ الطلبہ کا افتتاحی ثقافتی پروگرام — ابو طوبیٰ فلاحی — ۴۶

تقسیم انعامات کی تقریب

نو واردان بساط چمن

اظہار تعزیت

اعلان عام

اداریہ

ماہ محرم کا پیغام

انیس احمد فلاحی

ماہ محرم نہ صرف اسلامی تاریخ ہی میں نہیں بلکہ عالمی انسانی تاریخ میں بڑی ہی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ وہ ماہ ہے جس میں تاریخ انسانیت کے بعض ایسے اہم واقعات پیش آئے جنہوں نے زمانہ کا رخ بدل دیا، افکار و نظریات کے از سر نو تعمیر کی اور ایک ایسے ہمہ گیر انقلاب سے زمانہ کو روشناس کرایا جس کے اثرات بعد میں ہونے والی جملہ سماجی، سیاسی اور معاشی تبدیلیوں میں نمایاں طور پر محسوس کیے جا سکتے ہیں۔

سب سے بڑا اور اہم واقعہ جو اس ماہ میں پیش آیا وہ ہجرت نبوی ﷺ کا واقعہ ہے۔ ہجرت نبوی تاریخ اسلام کا نقطۂ آغاز و انطلاق ہے۔ اسی لئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے اسلامی سال کا آغاز اسی روز سے کیا جس میں ہجرت کی پہلی داغ بیل پڑی۔ ماہ محرم کا یہ مہینہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ کسی بھی انقلاب کے لئے اور خصوصاً اسلامی انقلاب کے لئے ایک بڑی ہجرت درکار ہے جس میں خواہشات نفس اور مرغوبات دنیا سے بیزاری اور قطع تعلق، قبائلی اور قومی عصبیتوں سے دوری، آراء و افکار کی قربانی کے بغیر اسلامی انقلاب ممکن نہیں۔

دوسرا اہم واقعہ قوم موسیٰ علیہ السلام کی فرعون سے نجات اور ہلاکت فرعون کا واقعہ ہے کہ وہ مہینہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو فرعون کے ظلم سے نجات دی اور ظالم و جابر فرعون کو بحر قلزم میں غرق کیا۔ فرعون جس نے بنی اسرائیل پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا تھا اور جسے اپنے اقتدار پر اس قدر گھمنڈ و غرور تھا کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کو قید و بند کی دھمکی دی اور آپ کی دعوت کی مخالفت کرتے ہوئے بولا: "لوگو! کیا مصر کی بادشاہی میری نہیں ہے اور نہریں میرے نیچے نہیں بہہ رہی ہیں کیا تم لوگوں کو نظر نہیں آتا، میں بہتر ہوں یا یہ شخص جو ذلیل و حقیر ہے اور اپنی بات بھی بیان نہیں کر سکتا۔ (سورۃ الزخرف: ۵۱)

چنانچہ غیرت خداوندی جوش میں آئی اور فرعون کو انہیں نہروں میں غرق کر دیا گیا جن

(۱) مراد بیعۃ العقبۃ الاولیٰ ہے۔

کی ملکیت پر اسے بڑا ناز تھا۔ فرعون کی ہلاکت کے اس واقعہ میں یہ نتیجہ مضمر ہے کہ ہر ظالم و جابر کا حشر و انجام وہی ہوگا جو فرعون کا ہوا۔ چنانچہ قاہرہ کے میوزیم میں رکھی ہوئی فرعون کی لاش متکبرین و جبارین کے لئے باعث عبرت ہے۔

موسیٰ علیہ السلام اور آپکے اہل ایمان ساتھیوں کی نجات کی خوشی میں ہی نبی کریم ﷺ نے عاشوراء کے روزے کی مشروعیت کا اعلان کیا اور یہودیوں کی مخالفت کی خاطر نویں تاریخ کو بھی روزہ رکھنا مسنون قرار دیا۔

ماہ محرم کا تیسرا اہم واقعہ کربلا میں امام حسینؓ کی شہادت عظمیٰ کا واقعہ ہے۔ امام حسینؓ نے بنو امیہ کی حکومت کو تسلیم نہ کیا کیونکہ انہوں نے اسلام کی روح حریت و جمہوریت کو غارت کر کے شورائی نظام اور آزادانہ رضامندی کی جگہ محض غلبہ جابرانہ اور مکر و خدع پر قائم کی تھی چنانچہ حضرت سید الشہداء نے اپنی قربانی کی عظیم مثال قائم کر کے مظالم بنی امیہ کے خلاف جہاد حق کی بنیاد رکھی اور جس حکومت کی بنیاد ہی ظلم و جبر پر تھی اسکی اطاعت و وفاداری سے انکار کیا نیز آپ کا اسوہ حسنہ یہ بھی بتاتا ہے کہ تعداد کی قلت اور وسائل کے فقدان کا رونا نہ روؤ بلکہ ظلم خواہ ضعیف ہو یا قوی ہر حال میں اس کا مقابلہ کرو کیونکہ وہ ظلم ہے۔ عدل و انصاف کا قیام شریعت کو مطلوب ہی نہیں بلکہ اس کا منتہیٰ مقصود ہے۔

☆ ☆ ☆

محسن انسانیت نے فرمایا:

"سب سے افضل جہاد ظالم حکمران کے سامنے انصاف کی یا حق کی بات کہنا ہے"۔

(سنن ابی داؤد کتاب الملاحم)

حدیث و فقہ

احادیث کی روشنی میں

عورتوں کے مساجد میں آنے کا مسئلہ

اور دور حاضر میں حد اعتدال

مفتی کلیم رحمانی۔ پوسد۔ مہاراشٹر

برصغیر ہندو پاک و بنگلہ دیش میں قرآن و حدیث کا علم عام نہ ہونے کی بنا پر دین اسلام کی جو باتیں خود مسلمانوں کو نئی اور اسلام کے خلاف معلوم ہوتی ہیں ان میں سے ایک عورتوں کے مساجد میں آنے کا مسئلہ بھی ہے۔ حالانکہ یہ اسلام میں نہ نیا ہے اور نہ اسلام کے خلاف بلکہ اتنا ہی قدیم ہے جتنا اسلام قدیم ہے اور احادیث رسول ﷺ سے ایسا ہی ثابت ہے جیسا کہ دن و رات میں پانچ فرض نمازوں کی تعداد ثابت ہے۔ جس طرح پانچ فرض نمازوں کی تعداد کا انکار نہیں کیا جا سکتا اسی طرح عورتوں کے مساجد میں آنے کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

اگر عورتوں کا مساجد میں آنا احترام مساجد کے خلاف ہوتا تو سب سے پہلے انہیں مسجد حرام سے روک دیا جاتا جو دنیا کی سب سے مقدس و محترم مسجد ہے اور اگر فتنہ کے باعث ممنوع ہوتا تو کم از کم حج کے زمانہ میں انہیں مسجد حرام میں آنے سے روک دیا جاتا جہاں پوری دنیا کے مسلمانوں کا مجمع ہوتا ہے اور جو دین اسلام کی مقدس عبادت کی ادائیگی میں لگے ہوتے ہیں۔ لیکن نہ دور نبویؐ میں عورتوں کو مسجد حرام سے روکا گیا اور نہ دور صحابہؓ میں اور نہ دور تابعینؒ میں اور نہ اس کے بعد آج تک اور نہ قیامت تک روکا جائے گا۔

لہٰذا جو چیز مسجد حرام میں جائز ہے وہ دیگر مساجد میں کیسے ناجائز ہو سکتی ہے جبکہ دیگر مساجد مقام و مرتبہ کے لحاظ سے مسجد حرام سے کم مرتبہ والی ہیں۔

بہت سے مسلمانوں میں عورتوں کے مساجد میں آنے کے متعلق دو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں ایک یہ کہ پردہ کا حکم نازل ہونے کے بعد عورتوں کے مساجد میں آنے کی بات منسوخ ہو گئی تھی، اور دوسری غلط فہمی یہ کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دور خلافت میں

عورتوں کے مساجد میں آنے پر پابندی لگا دی تھی۔ لیکن ان دونوں غلط فہمیوں کو حقیقت و سچائی سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ جہاں تک پہلی غلط فہمی کا تعلق ہے تو اس کے ازالہ کے لئے یہ بات کافی ہے کہ پردہ کا حکم ہجرت کے پانچویں سال ہی نازل ہو چکا تھا لیکن عورتیں نبی کریم ﷺ کی وفات تک اور بعد میں بھی برابر بلا روک ٹوک مساجد میں آیا کرتی تھیں صرف فرق یہ تھا کہ پردہ کا حکم نازل ہونے کے بعد عورتیں پردہ سے آیا کرتی تھیں۔ اور اس کے ثبوت میں احادیث ،سیرت رسول ﷺ اور تاریخ اسلام کی تمام کتابیں بھری پڑی ہیں۔ ہم یہاں صرف چند حدیثوں کے پیش کرنے پر اکتفا کر رہے ہیں۔ بخاری شریف کی روایت ہے:

عن عائشة قالت إن كان رسول الله ﷺ ليصلي الصبح فتنصرف النساء متلفعات بمروطهن ما يعرفن من الغلس (بخاری ۱/۱۲۰)

حضرت عائشہؓ نے کہا جب رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز پڑھا چکتے تو عورتیں چادریں لپیٹے اپنے گھروں کو لوٹتیں۔ اندھیرے سے ان کی پہچان نہیں ہو سکتی تھی۔" اس روایت سے یہ بات واضح ہوئی کہ عورتیں پردہ کا حکم نازل ہونے کے بعد بھی مسجد میں آیا کرتی تھیں۔ بخاری شریف ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے:

عن هند بنت الحارث أن أم سلمة زوج النبي ﷺ أخبرتها أن النساء في عهد رسول الله ﷺ كن إذا سلمن من المكتوبة قمن و ثبت رسول الله ﷺ ومن صلى من الرجال ما شاء الله ،فإذا قام رسول الله ﷺ قام الرجال (بخاری ۱/۱۱۹)

حضرت ہند بنت حارثہ سے روایت ہے ان کو حضرت ام سلمہؓ نے خبر دی جو نبی ﷺ کی بیوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں عورتیں جب فرض نماز سے سلام پھیرتیں تو اسی وقت کھڑی ہو کر چل دیتیں اور آنحضرت ﷺ اور مرد جو آپ کے پیچھے نماز میں ہوتے وہ ٹھہرے رہتے جب تک اللہ کو منظور ہوتا، پھر جب آنحضرت ﷺ کھڑے ہوتے تو مرد بھی کھڑے ہوتے اور چل دیتے۔" اور یہ اس لئے کرتے تاکہ عورتیں مردوں کے پہلے مسجد سے نکل جائیں، جیسا کہ بخاری ہی کی روایت سے واضح ہے: أن ذلك كان لكي تنصرف النساء

قبل أن يدركهن من الرجال (بخاری ۱/۱۲۰) یعنی یہ اس لئے ہوتا تاکہ عورتیں مردوں کے ان تک پہنچنے سے پہلے ہی لوٹ جائیں۔" اور ظاہر ہے یہ پردہ کی رعایت ہی میں ہو سکتا ہے اور پردہ کی رعایت پردہ کا حکم نازل ہونے کے بعد ہی کی گئی۔ آنحضرت ﷺ نماز کے لئے مسجد میں آنے والی عورتوں کا کتنا زیادہ خیال رکھتے تھے بخاری شریف کی روایت سے اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے:

عن عبدالله بن ابي قتادة الانصاري عن ابيه قال قال رسول الله ﷺ إني لأقوم إلى الصلوة وأنا اريد أن اطول فيها فأسمع بكاء الصبي فأتجوز في صلاتي كراهية أن اشق على أمه (بخاری ۱/۱۲۰)

حضرت عبداللہ بن ابی قتادہؓ انصاری سے روایت ہے انھوں نے اپنے باپ ابو قتادہ سے روایت کی، انھوں نے کہا آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں نماز پڑھانے کے لئے کھڑا ہوتا ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ نماز لمبی پڑھاؤں، پس میں بچے کا رونا سنتا ہوں تو نماز کو مختصر کر دیتا ہوں، مجھے اس کی ماں کو تکلیف میں ڈالنا اچھا معلوم نہیں ہوتا ہے۔

مذکورہ حدیث سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آنحضور ﷺ جماعت کی نماز میں شریک عورتوں کا کتنا زیادہ خیال رکھا کرتے تھے کہ نماز کو طویل کرنے کی خواہش کو ان کی خاطر قربان کر دیتے تھے۔

اگر پردہ کے حکم کی وجہ سے عورتوں کے مساجد میں آنے کی اجازت منسوخ کرنی مطلوب ہوتی تو اللہ تعالیٰ خود منسوخ فرما دیتا یا اللہ کے رسول ﷺ منسوخ فرما دیتے، لیکن نہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی کسی آیت میں عورتوں کو مساجد میں آنے سے منع فرمایا اور نہ اللہ کے رسول ﷺ نے کسی حدیث میں عورتوں کے مساجد میں آنے سے منع فرمایا۔ اس کے برعکس کئی احادیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے نہ صرف یہ کہ عورتوں کو مساجد میں آنے کی اجازت دی بلکہ اپنی امت کو حکم دیا کہ عورتوں کو مساجد میں آنے سے مت روکو۔

حدیث کی مشہور و معروف کتاب ابوداؤد کی روایت ہے جس کو صاحب مشکوٰۃ نے اپنی مشہور کتاب مشکوٰۃ شریف میں بھی نقل کیا ہے: عن ابن عمرؓ قال قال رسول الله ﷺ

لا تمنعوا نسائکم المساجد (ابوداؤد جلد ۱)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم اپنی عورتوں کو مسجدوں سے مت منع کرو۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو مساجد میں آنے سے منع کرنا آنحضور ﷺ کے فرمان کی خلاف ورزی ہے۔ اور پھر مزید یہ کہ حدیث مذکور میں منع کا لفظ ہے جو عام طور پر زبان سے روکنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ نہی کا لفظ نہیں ہے جو عام طور پر ہاتھ اور قوت سے روکنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آنحضور ﷺ نے عورتوں کو مساجد سے زبان سے روکنے سے بھی منع کر دیا تو ہاتھ اور قوت سے عورتوں کو مساجد سے روکنے کی کوشش کرنا آنحضور ﷺ کے فرمان کی کتنی شدید خلاف ورزی ہوگی۔ اسی طرح بخاری اور مسلم کی روایت ہے اور اس کو بھی صاحب مشکوۃ نے نقل کیا ہے: عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ ﷺ إذا استأذنت المرأۃ احدکم إلی المسجد فلا یمنعھا (بخاری جلد ۱)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کسی کی عورت مسجد کی طرف جانے کی اجازت مانگے تو اس کو ہرگز منع نہ کرے۔

مذکورہ حدیث میں آنحضور ﷺ نے مردوں کو یہ تاکیدی حکم دیا کہ جب کسی کی عورت مسجد میں جانے کی اجازت مانگے تو اسے ہرگز منع نہ کیا جائے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی مرد کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ عورت کو مسجد میں جانے پر مجبور کرے۔ اسی طرح بخاری شریف کی ایک اور روایت ہے: عن ابن عمرؓ عن النبی ﷺ قال إئذنوا للنساء باللیل إلی المساجد (بخاری ۱۲۳؍۱)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا عورتوں کو رات میں مسجدوں میں جانے کی اجازت دو۔ بعض محدثین نے کہا امام بخاری نے یہ حدیث لا کر اس امر کا بیان کیا کہ جب رات کو بھی عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت دینے کا حکم ہوا تو دن کو بطریق اولیٰ ان کو مسجد جانے کی اجازت دینی ہوگی کیونکہ رات میں طرح طرح کے شبہ ہوتے ہیں جو دن میں نہیں ہوتے۔ (تفسیر الباری ۱۳؍۲)

جہاں تک دوسری غلط فہمی کا تعلق ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دور خلافت میں عورتوں کو مساجد میں آنے سے روک دیا تھا تو یہ حضرت عمرؓ پر بہت بڑا بہتان ہے اس سلسلہ میں صحیح روایات سے جو کچھ ثابت ہے وہ یہ کہ حضرت عمرؓ کو اپنی بیوی عاتکہ کا مسجد میں آنا پسند نہیں تھا لیکن اس کے باوجود آپ نے کبھی اپنی بیوی کو مسجد میں آنے سے نہیں روکا۔ جیسا کہ بخاری شریف کی روایت سے واضح ہے: عن ابن عمرؓ قال کانت إمرأۃ لعمر تشھد صلاۃ الصبح والعشاء فی الجماعۃ فی المسجد فقیل لھا لم تخرجین وقد تعلمین أن عمر یکرہ ذلک و یغار قالت وما یمنعہ أن ینھانی قال یمنعہ قول رسول اللہ ﷺ لا تمنعوا إماء اللہ مساجد اللہ (بخاری ۱۲۳؍۱)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کی ایک عورت صبح اور عشاء کی جماعت میں مسجد میں حاضر ہوا کرتی تھیں تو اس سے کہا گیا کہ تو کیوں باہر نکلتی ہے حالانکہ تو جانتی ہے کہ حضرت عمرؓ اس کو پسند نہیں کرتے اور ان کو غیرت آتی ہے تو (حضرت عمرؓ کی بیوی نے کہا) کہ ان کو کس چیز نے منع کیا کہ وہ مجھ کو روک دے (حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا) ان کو یعنی حضرت عمرؓ کو رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان نے (اپنی بیوی کو) منع کرنے سے روک دیا تھا کہ تم اللہ کی باندیوں کو اللہ کی مساجد سے منع مت کرو۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ جو عمر فاروقؓ حضور ﷺ کے فرمان کی بنا پر اپنی بیوی کو بھی مسجد میں جانے سے روک نہیں سکے لیکن انھیں پر کچھ لوگوں نے الزام لگا دیا کہ آپؓ نے عورتوں کو مسجدوں میں آنے سے روک دیا تھا۔ ان لوگوں کو یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ ایک دن آنے والا ہے جسے قیامت کا دن کہتے ہیں جس میں کائنات کا خالق و مالک رب ذوالجلال تمام انسانوں کے درمیان انصاف فرمائے گا۔ ایک طرف حضرت عمرؓ کھڑے ہوں گے اور اپنے رب سے فریاد کریں گے اور کہیں گے اے باری تعالیٰ میں نے تیرے حبیب حضرت محمد ﷺ کے فرمان کی وجہ سے اپنی بیوی کو بھی مسجد میں آنے سے نہیں روکا لیکن کچھ لوگوں نے مجھ پر یہ بہتان لگا دیا کہ میں نے تمام عورتوں کو مسجد میں آنے سے روک دیا تھا تو ان کو اس بہتان کی سزا دے۔

مؤطا امام مالک کی روایت سے بھی واضح ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ اپنی بیوی عاتکہ کو بھی مسجد میں جانے سے منع نہیں کرتے تھے: عن عاتكة بنت زيد بن عمرو بن نفيل إمرأة عمر بن الخطاب أنها كانت تستأذن عمر بن الخطاب إلى المسجد فيسكت فتقول والله لأخرجن إلا أن تمنعني فلا يمنعها (مؤطا امام مالک ص ۱)

حضرت عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل سے روایت ہے جو کہ حضرت عمرؓ بن خطاب کی بیوی ہیں وہ حضرت عمرؓ بن خطاب سے مسجد میں جانے کی اجازت مانگتی تو حضرت عمرؓ خاموش ہو جاتے تو وہ کہتی اللہ کی قسم میں ضرور نکلوں گی جب تک تم مجھ کو منع نہیں کرتے پس حضرت عمرؓ ان کو منع نہیں کرتے تھے۔

مذکورہ دونوں روایتوں سے حضرت عمرؓ کے اتباع رسول اور احترام سنت کے جذبہ کا بھی پتہ چلتا ہے کہ اپنی غیرت اور پسند کو آں حضور ﷺ کے فرمان کی خاطر قربان کر دیا۔ حضرت عمرؓ کے اس اسوہ میں بڑا درس عبرت ہے ان اہل ایمان کے لئے جو اپنی خاندانی غیرت میں، مسلکی اور جماعتی تعصب میں اللہ اور اس کے رسول کے بے شمار فرامین اطاعت کو پامال کر دیتے ہیں۔ روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت عمرؓ فاروق کو جس وقت مسجد میں فجر کی نماز میں نیزہ مارا گیا اور اسی زخم سے آپ کی شہادت واقع ہوئی اسی فجر کی نماز میں حضرت عمرؓ کی یہی بیوی عاتکہؓ بھی موجود تھی۔ (فتح الباری ۲۹۱/۲) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ نے آخری دم تک بھی اپنی بیوی کو مسجد میں جانے سے نہیں روکا۔ جبکہ حضرت عمرؓ عاتکہؓ کے صرف شوہر ہی نہیں بلکہ امیر المومنین بھی تھے۔ ساتھ ہی روایات سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ حضرت عمرؓ کی یہ ناپسندیدگی صرف اپنی بیوی عاتکہؓ کے لئے تھی، تمام عورتوں کے لئے نہیں تھی۔ حدیث کی کتابوں میں اس کی وجہ حضرت عمرؓ کی غیرت بیان کی گئی ہے لیکن اگر اس مسئلہ پر گہرائی سے غور کیا جائے تو حضرت عمرؓ کی غیرت کے ساتھ ایک ضرورت کا بھی پتہ چلتا ہے اور یہ کہ حضرت عمرؓ عاتکہ کے صرف شوہر ہی نہیں مسلمانوں کے خلیفہ بھی تھے اور خلافت کو استحکام دینے کے لئے ایک خلیفہ کو بہت سی باتیں خلافت کے دشمنوں سے راز میں رکھنی پڑتی ہیں، اور چونکہ دور نبوی اور دور صحابہؓ میں جس طرح کچھ منافق مرد مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے آیا کرتے تھے اسی طرح

کچھ منافق عورتیں بھی مسجد میں آیا کرتی تھیں۔ منافق مرد تو اپنی ایک ظاہری علامت اسلامی جنگوں میں شریک نہیں ہوتا یا ہوتا بھی تو اسلامی لشکر میں پھوٹ ڈالنے کے لئے، کسی قدر پہچان لئے جاتے تھے لیکن چونکہ عورتوں پر جنگ فرض نہیں ہے اس لئے مسلم عورتوں اور منافق عورتوں میں پہچان کے لئے ایسی کوئی ظاہری علامت نہیں تھی جس کی وجہ سے ان کو پہچاننا دشوار تھا۔

اس لئے حضرت عمرؓ کو ہمیشہ اس بات کا خدشہ رہا کرتا تھا کہ جو باتیں منافقین، یہود و نصاریٰ اور مشرکین سے راز میں رکھنے کی ہیں کہیں وہ باتیں میری بیوی عاتکہ سے منافق عورتیں حاصل نہ کریں اور عاتکہ کو اس کا احساس بھی نہ ہو۔ اس لئے حضرت عمرؓ چاہتے تھے کہ عاتکہ مسجد میں نماز کے لئے نہ جائے تاکہ منافق عورتوں کو ان سے گفتگو کرنے کا زیادہ موقع نہ ملے۔ مگر قربان جایئے حضرت عمرؓ کے جذبہ اطاعت رسول ﷺ پر کہ اتنے اہم خدشہ کے باوجود آپ نے کبھی اپنی بیوی کو مسجد میں جانے سے نہیں روکا۔ آنحضور ﷺ کا یہ فرمان کہ عورتوں کو مساجد سے منع مت کرو کو دیگر صحابہ کرامؓ بھی کتنا زیادہ احترام کیا کرتے تھے، چند روایات سے اچھی طرح واضح ہوتا ہے۔ حدیث کی مشہور و معروف کتاب مسلم شریف کی روایت ہے اور صاحب مشکوۃ نے بھی اس روایت کو اپنی کتاب مشکوۃ شریف میں بیان کیا ہے:

عن بلال بن عبد الله بن عمرؓ عن ابيه قال قال رسول الله ﷺ لا تمنعوا النساء حظوظهن من المساجد إذا استأذنكم فقال بلال والله لنمنعهن فقال له عبدالله اقول قال رسول الله ﷺ تقول انت لنمنعهن و في رواية سالم عن ابيه قال فاقبل عليه عبدالله فسبه سبا ما سمعته سبه مثله قط وقال اخبرك عن رسول الله ﷺ وتقول والله لنمنعهن (مسلم شریف و مشکوۃ شریف)

بلال بن عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے انھوں نے نقل کیا اپنے باپ یعنی عمرؓ سے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ مت منع کرو تم اپنی عورتوں کو مساجد کے ان کے حصوں سے جب کہ وہ تم سے اجازت طلب کریں مسجد جانے کی پس بلال نے کہا ہم منع کریں گے ان کو تو بلال کے باپ حضرت عبداللہ نے بلال سے کہا میں کہتا ہوں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اور تو کہتا ہے ہم منع

کریں گے ان کو۔ اور حضرت سالم کی روایت میں ہے انھوں نے اپنے باپ سے روایت کیا کہا کہ پھر متوجہ ہوئے حضرت عبداللہ اپنے بیٹے بلال کی طرف اور اس کو ڈانٹا کہا کہ میں نے نہیں سنا کہ اس کی طرح برا کہا ہو کبھی بھی اور کہا میں خبر دیتا ہوں تجھ کو رسول اللہ ﷺ سے اور تو کہتا ہے اللہ کی قسم ہم ضرور منع کریں گے ان کو۔

مذکورہ روایت سے دو اہم باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ آنحضور ﷺ نے عورتوں کے مساجد میں آنے کو ان کا حصہ اور حق قرار دیا اور ان کو اپنے حصہ سے روکنے کو منع فرمایا ہے۔ دوسری بات یہ کہ صحابۂ کرام اللہ کے رسول کے کسی فرمان کی زبانی خلاف ورزی بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ چاہے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ صحابیٔ رسول ﷺ حضرت عبداللہؓ نے جب اللہ کے رسول کی حدیث بیان کی کہ تم عورتوں کو مساجد سے مت منع کرو تو آپؓ کے بیٹے بلال نے جب کہا کہ ہم منع کریں گے تو حضرت عبداللہ نے اپنے بیٹے کو ڈانٹا کہا کہ کبھی اتنا برا نہیں کہا تھا یہ وہی عبداللہؓ ہیں جو حضرت عمر فاروقؓ کے بیٹے ہیں۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ نے عورتوں کو مساجد میں آنے سے منع نہیں کیا تھا اگر منع کیا ہوتا تو سب سے پہلے آپؓ کے بیٹے اس پر عمل کرتے اور کرواتے۔

حدیث کی ایک اور کتاب مسند احمد کی روایت سے بھی اس مسئلہ میں صحابیٔ رسول ﷺ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے جذبۂ اطاعت رسول کا پتہ چلتا ہے اس روایت کو بھی صاحب مشکوۃ نے اپنی کتاب مشکوۃ شریف میں نقل کیا ہے۔ عن مجاهد عن عبدالله بن عمرؓ أن النبي ﷺ قال لا يمنعن رجل اهله أن يأتوا المساجد فقال ابن لعبدالله بن عمرؓ فإنا نمنعهن فقال عبدالله احدثك عن رسول الله ﷺ وتقول هذا قال فما كلمه حتى مات (مسند احمد و مشکوۃ شریف)

حضرت مجاہد سے روایت ہے وہ روایت کرتے ہیں عبداللہ بن عمرؓ سے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ کوئی آدمی اپنے اہل خانہ کو مسجد میں آنے سے ہرگز منع نہ کرے تو عبداللہ بن عمرؓ کے بیٹے نے کہا ہم منع کریں گے ان کو یعنی عورتوں کو تو کہا حضرت عبداللہؓ نے اپنے بیٹے کو کہ میں تجھ کو رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرتا ہوں اور تو یہ کہتا ہے، حضرت مجاہد نے کہا پس

حضرت عبداللہؓ نے اپنے بیٹے سے بات نہیں کیا یہاں تک کہ وفات ہو گئی۔

مطلب یہ کہ اس کے بعد زندگی بھر حضرت عبداللہؓ نے اپنے بیٹے سے بات نہیں کی۔ یہ وہی عبداللہ ہیں جو حضرت عمر فاروقؓ کے بیٹے ہیں۔ مذکورہ روایت سے اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ صحابۂ کرام میں اللہ کے رسولؐ کے فرامین کا کتنا زیادہ احترام تھا کہ زبانی خلاف ورزی بھی انھیں گوارا نہیں تھی۔ صحابیٔ رسولؐ کے اس واقعہ سے ان لوگوں کو سبق حاصل کرنا چاہیے جو ایک طرف تو اتباعِ رسول کا دم بھرتے ہیں لیکن دوسری طرف جب ان کے سامنے عورتوں کے مساجد میں آنے کی اجازت کا فرمانِ رسولؐ بیان کیا جاتا ہے تو غصہ سے بھر جاتے ہیں۔ اس واقعہ میں انھیں اپنی حیثیت متعین کرنی چاہیے کہ وہ غصہ سے بھرے یا ان پر غصہ سے بھر اجانے واقعہ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان پر غصہ سے بھر اجائے جو فرمانِ رسول کی مخالفت کرتے ہیں یا آپ ﷺ کے فرمان پر کسی اور کے قول کو ترجیح دیتے ہیں۔

ایک اور جلیل القدر صحابی حضرت زبیرؓ کے طرزِ عمل سے بھی عورتوں کے مساجد میں آنے کی اجازت کے فرمانِ رسولؐ کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ روایات میں ہے کہ حضرت زبیرؓ کو اپنی بیوی عاتکہ کا مسجد میں جانا پسند نہیں تھا لیکن اللہ کے رسولؐ کے اس فرمان کی وجہ سے کہ تم عورتوں کو مساجد سے منع مت کرو، حضرت زبیرؓ اپنی بیوی عاتکہؓ کو مسجد میں جانے سے منع نہیں کرتے تھے واضح رہے یہ وہی عاتکہؓ ہیں جو پہلے حضرت عمر فاروقؓ کے نکاح میں تھیں اور ان کے انتقال کے بعد حضرت زبیرؓ کے نکاح میں آئیں۔ ایک مرتبہ حضرت زبیرؓ نے ایک تدبیر اختیار کی تاکہ ان کی بیوی خود ہی مسجد جانے سے رک جائے اور منع کرنے کی ضرورت بھی نہ پڑے۔ تدبیر یہ کی کہ جب ان کی بیوی عشاء کی نماز کے لئے مسجد کی طرف نکلی تو حضرت زبیرؓ ایک جگہ اندھیرے میں راستہ میں کھڑے ہو گئے اور جب بیوی سامنے سے گذری تو اسے چھیڑا اندھیرے کی وجہ سے وہ اپنے شوہر کو پہچان نہیں سکی اور سمجھی کہ کسی غیر مرد نے چھیڑا ہے چنانچہ اس واقعہ کے بعد حضرت زبیر کی بیوی نے خود ہی رات کی نماز میں مسجد جانا ترک کر دیا

یہ وہی حضرت زبیرؓ ہیں جن کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہوتا ہے یعنی ان دس صحابہ کرام میں جنہیں اللہ کے رسول ﷺ نے دنیا ہی میں جنت کی بشارت دی ہے۔ اس واقعہ سے معلوم

اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ صحابہ کرامؓ عورتوں کو مساجد سے منع کرنے میں کتنا پاس و لحاظ کرتے تھے کہ اتنے بڑے جلیل القدر صحابیؓ اپنی بیوی کو بھی زبان سے منع کرنے کی جرأت و ہمت اپنے اندر نہیں پاتے تھے۔ اس واقعہ سے ان لوگوں کو سبق لینا چاہئے جو عورتوں کو مساجد سے منع کرنے اور روکنے میں بڑی ہمت و جرأت دکھاتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کے رسول ﷺ کی اس حدیث کو بنیاد بنا کر عورتوں کو مساجد سے منع کرنے کی بات کرتے ہیں جو ابوداؤد شریف میں مروی ہے اور صاحب مشکوٰۃ نے بھی اس کو مشکوٰۃ شریف میں بیان کیا ہے: عن ابن مسعود قال قال رسول الله ﷺ صلوة المرأة في بيتها افضل من صلوتها في حجرتها وصلوتها في مخدعها افضل من صلوتها في بيتها (رواه ابوداؤد)

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا عورت کی گھر کی نماز گھر کے صحن سے بہتر ہے اور گھر کی کوٹھری کی نماز گھر کی نماز سے بہتر ہے۔

مذکورہ حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے کہیں بھی مسجد اور گھر کی نماز کا موازنہ بیان نہیں فرمایا یعنی یہ نہیں فرمایا کہ عورت کی گھر کی نماز مسجد کی نماز سے بہتر ہے بلکہ آنحضور ﷺ نے صرف صحن اور گھر کی نماز، گھر اور کوٹھری کی نماز کا موازنہ بیان فرمایا ہے وہ یہ کہ عورت کی گھر میں پڑھی ہوئی نماز صحن میں پڑھی ہوئی نماز سے بہتر ہے اور گھر کی کوٹھری یا گوشہ میں پڑھی ہوئی نماز گھر کے درمیانی حصہ میں پڑھی ہوئی نماز سے بہتر ہے۔ کیوں کہ اس میں پردہ کا پہلو زیادہ ہوتا ہے۔ مذکورہ حدیث میں اس کا بھی امکان ہے بلکہ زیادہ غالب یہی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کا اشارہ غیر فرض نمازوں کی طرف ہو اور یہ تو متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ فرض نمازوں کے علاوہ جو نوافل و سنت نمازیں ہیں ان کا مسجد کی بہ نسبت گھر میں پڑھنا زیادہ افضل ہے مردوں کے لئے بھی اور عورتوں کے لئے بھی۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرض نمازوں میں بھی مسجد میں عورتوں کی حاضری کو ضروری قرار نہیں دیا بلکہ اس کو عورتوں کی سہولت پہ چھوڑ دیا ہے کہ وہ آئیں یا نہ آئیں۔ کیوں کہ ان کے لئے بھی مسجد میں آکر نماز پڑھنے میں افادیت کا پہلو ہوتا ہے اور گھر ہی میں نماز ادا کرنے میں افادیت کا پہلو ہوتا ہے۔ لہٰذا مذکورہ حدیث سے کسی بھی طرح عورتوں کو مساجد سے منع کرنے کا کوئی ثبوت و جواز

نہیں ملتا۔ اگر ملتا تو سب سے پہلے خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروقؓ اپنی بیوی عاتکہؓ کے لئے اس ثبوت کو استعمال کرتے جو آخری دم بھی اپنی بیوی کو مسجد سے منع کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ اگر مذکورہ حدیث میں عورتوں کی فرض نماز کی طرف بھی اشارہ سمجھا جائے تو زیادہ سے زیادہ جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ عورتوں کے گھر میں نماز پڑھنے کی ترغیب لیکن بہت بڑا فرق ہے کسی چیز کی ترغیب اور کسی چیز کے حکم میں۔ آنحضور ﷺ کی دو حدیثوں سے ترغیب کی حقیقت کو اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے:

عن زيد بن ثابتؓ قال قال رسول الله ﷺ صلوة المرء في بيته افضل من صلوته في مسجدي هذا إلا المكتوبة (ابو داؤد و ترمذی)

حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا فرض نماز کے علاوہ آدمی کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا میری اس مسجد (یعنی مسجد نبوی) سے افضل ہے۔

اس حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرض نمازوں کے علاوہ جتنی نمازیں ہیں چاہے وہ نوافل ہوں یا سنتیں ہوں انھیں مسجد کے بجائے گھر میں پڑھنا افضل قرار دیا یہاں تک کہ اپنی مسجد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا اس میں پڑھنے سے افضل ہے جبکہ مسجد نبوی وہ مسجد ہے کہ خود فرمان رسول ﷺ کے مطابق اس میں ایک نماز پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے یہی وجہ ہے کہ آنحضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ عام طور پر نوافل اور سنت نمازیں گھروں ہی میں ادا کیا کرتے تھے لیکن اس کے باوجود آپ نے مساجد میں نوافل اور سنتیں ادا کرنے کو ناجائز اور ممنوع قرار نہیں دیا اور خود آنحضور ﷺ نے ماہ رمضان میں مسجد میں چند راتیں صحابہ کرامؓ کو تراویح کی نماز پڑھائی۔ (جبکہ تراویح کی نماز فرض نماز کے علاوہ ہے)

لیکن جب صحابہ کرامؓ کا شوق بڑھنے لگا تو آپ ﷺ نے یہ کہہ کر پڑھانا ترک کر دیا کہ مجھے ڈر ہے کہ یہ تم پر فرض نہ کر دی جائے لہٰذا تم اس نماز کو اپنے گھروں میں پڑھو (بخاری و مسلم) یہی صحابہ کرامؓ جو اللہ کے رسول ﷺ کے اس فرمان کو سنتے اور یقین کرتے تھے کہ فرض نماز کے علاوہ آدمی کا گھر میں نماز پڑھنا میری اس مسجد میں پڑھنے سے افضل ہے جب حضرت عمرؓ کا دور خلافت آتا ہے تو اس مسجد نبوی میں ماہ رمضان میں نماز تراویح کا باجماعت اہتمام کرتے

ہیں۔ (بخاری)

مذکورہ روایات سے یہ بات واضح ہوئی کہ جس طرح اللہ کے رسول ﷺ کی اس ترغیب سے کہ آدمی کا اپنے گھر میں سنتیں اور نوافل پڑھنا مسجد میں پڑھنے سے افضل ہے آدمی کے لئے سنتیں اور نوافل پڑھنا ناجائز اور ممنوع نہیں ٹھہرتا۔ اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ کی اس ترغیب سے کہ عورت کا گھر میں نماز پڑھنا صحن میں پڑھنے سے افضل ہے۔ عورتوں کا مساجد میں آکر نماز ادا کرنا ناجائز اور ممنوع نہیں ٹھہرتا۔ ایک اور حدیث سے ترغیب کی حقیقت کو اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے: عن ابن عمرؓ أن النبي ﷺ قال ابغض الحلال إلى الله الطلاق (ابوداؤد)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا حلال چیزوں میں اللہ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ طلاق ہے۔

اس حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے طلاق نہیں دینے کی ترغیب دی لیکن جس اللہ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ طلاق ہے اسی اللہ نے اپنی آخری کتاب قرآن مجید میں طلاق دینے کا صحیح طریقہ بھی بتایا کیوں کہ بعض وقت اس کے بغیر چارہ کار نہیں ہوتا اور زیادہ افادی پہلو طلاق ہی میں ہوتا ہے۔ کچھ لوگ ام المومنین حضرت عائشہؓ کے ایک اظہار خیال کو بنیاد بنا کر عورتوں کو مساجد سے منع کرنے کی بات کرتے ہیں جو حضرت عائشہؓ نے ان عورتوں کو دیکھ کر اظہار فرمایا تھا جو خوشبو لگا کر اور زیب و زینت سے آراستہ ہو کر مسجد آیا کرتی تھیں۔ واضح رہے کہ آنحضور ﷺ نے عورتوں کو یہ ہدایت دی ہے کہ جب وہ کسی ضرورت سے گھر سے باہر نکلیں تو نہ خوشبو لگائیں نہ زیب و زینت سے آراستہ ہوں چاہے وہ ضرورت مسجد میں نماز پڑھنے کی ہو یا اور کوئی ضرورت ہو۔ حضرت عائشہؓ کا وہ اظہار خیال بخاری شریف میں مروی ہے: عن يحيى بن سعيد عن عمرة بنت عبدالرحمن عن عائشةؓ قالت لو ادرك النبي ﷺ ما احدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بني اسرائيل قلت لعمرة: أو منعن؟ قالت: نعم (بخاري ۱۲۰/۱)

یحییٰ ابن سعید سے روایت ہے کہ انھوں نے عمرۃ بنت عبدالرحمن سے روایت کی

انھوں نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی انھوں نے کہا کہ حضرت عائشہؓ نے کہا اگر نبی ﷺ دیکھ لیتے جو عورتوں نے ایجاد کر لیا (یعنی خوشبو لگا کر زیب و زینت سے آراستہ ہو کر مسجد میں آنے کو) تو ضرور انھیں مسجد میں آنے سے منع کر دیتے جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتیں منع کر دی گئی تھیں (یحییٰ ابن سعید نے عمرہ سے کہا کیا (بنی اسرائیل کی عورتیں) مسجد سے منع کر دی گئی تھیں کہا ہاں (یعنی بنی اسرائیل کی عورتوں کو مسجد میں آنے سے روک دیا گیا تھا)

مذکورہ روایت سے حضرت عائشہؓ کے اتباع رسول اور اتباع سنت کے جذبے کا پتہ چلتا ہے کہ مسجد میں آنے والی عورتوں کی بے احتیاطی دیکھنے کے باوجود حضرت عائشہؓ نے ان عورتوں کو مسجد سے منع نہیں کیا بلکہ صرف یہ خیال ظاہر فرمایا کہ اگر نبی ﷺ ان عورتوں کو دیکھ لیتے تو انھیں منع فرما دیتے۔ کیوں کہ حضرت عائشہؓ اچھی طرح جانتی تھیں کہ جب اللہ کے رسول ﷺ نے عورتوں کو مساجد سے منع کرنے سے منع فرمایا ہے تو مجھ ادنیٰ بندی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ عورتوں کو مساجد سے منع کروں۔ لہٰذا مذکورہ روایت سے عورتوں کو مساجد سے منع کرنے کا کوئی جواز و ثبوت نہیں ملتا۔ اگر حضرت عائشہؓ ان عورتوں کو مساجد سے منع کر دیتیں تو ہو سکتا ہے ان کا یہ فعل ان عورتوں کو مساجد سے منع کرنے کے لئے ثبوت بنتا جو خوشبو لگا کر زیب و زینت سے آراستہ ہو کر مسجد میں آتی ہیں۔ لیکن یہاں حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے ایسی عورتوں کو بھی مساجد سے منع کرنے کی جرأت نہیں کیا۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ تو ان عورتوں کو بھی مسجد میں آنے سے منع نہیں کر سکیں جو خوشبو اور زیب و زینت سے آراستہ ہو کر آتی تھیں لیکن۔

آج کچھ مسلمان پردہ میں آنے والی عورتوں کو مسجد سے منع کرنے کی بات کرتے ہیں انھیں حضرت عائشہؓ کے اس اسوہ سے سبق لینا چاہئے اور اس کی روشنی میں اپنی حیثیت متعین کرنی چاہئے۔ کچھ لوگ عورتوں کے مساجد میں آنے کو فتنہ کا باعث قرار دے کر انھیں مساجد سے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آنحضور ﷺ کا زمانہ خیر القرون کا زمانہ تھا اس لئے ان کا مساجد میں آنا جائز تھا لیکن چونکہ اب وہ زمانہ نہیں رہا اس لئے ان کا آنا جائز نہیں رہا۔ کاش کہ یہ لوگ آنحضرت ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کی حیثیت جانتے اور آپ ﷺ کے فرامین کی اہمیت

کیونکہ آنحضور ﷺ نے آخری نبی ہونے کی حیثیت سے امت مسلمہ کو قیامت تک رونما ہونے والے تمام چھوٹے بڑے فتنوں سے نہ صرف آگاہ کیا بلکہ ان کی نشان دہی بھی کی یہاں تک کہ قیامت کے قریب دجال کی صورت میں جو عظیم فتنہ برپا ہوگا آپ نے اس سے بھی آگاہ کیا اور اس کی چند نشانیاں بھی بتائیں لیکن آنحضور ﷺ نے کسی بھی حدیث میں عورتوں کے مساجد میں آنے کو فتنہ کا باعث قرار نہیں دیا۔ اگر عورتوں کا مساجد میں آنا قیامت تک کبھی بھی فتنہ کا باعث ہو سکتا تھا تو اللہ کے رسول ﷺ ضرور اس سے آگاہ فرما دیتے اور ظاہر ہے جو رسول اپنی امت کو قیامت کے قریب کے فتنہ سے آگاہ کر دے وہ رسول اپنی امت کو اس سے پہلے رونما ہونے والے فتنہ سے کیسے بے خبر رکھ سکتا ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ عورتوں کو مساجد سے روکنا فتنہ کا باعث ہو سکتا ہے کیوں کہ اس صورت میں ایک تو فرمان رسول کی خلاف ورزی لازم آئے گی دوسرے عورتوں کا مساجد کے تعلیمی و تربیتی نظام سے بالکل رشتہ ٹوٹ جائے گا اور مسلم معاشرہ میں ایسی بہت سی عورتیں ہوتی ہیں جن کو اپنے گھروں میں دینی تعلیم و تربیت کے مواقع نہیں ملتے ظاہر ہے ایسی عورتوں کا دینی تعلیم و تربیت سے محروم رہنا امت کے لئے فتنہ سے کم نہیں ہے چنانچہ آج عورتوں میں جو بے دینی پھیلی ہوئی ہے اس کی وجوہات میں ایک اہم وجہ یہ ہے کہ عورتوں کا مساجد سے رشتہ کٹا ہوا ہے۔ اور آنحضور ﷺ کا یہ فرمان کہ تم اپنی عورتوں کو مساجد سے منع مت کرو۔ آپ ﷺ کے پیش نظر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عورتیں مساجد کے تعلیمی و تربیتی نظام سے جڑی رہیں، کیونکہ اسلام میں مساجد کی حیثیت صرف عبادتی مراکز ہی کی نہیں ہے بلکہ تعلیمی و تربیتی مراکز کی بھی ہے۔ اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ دور نبوی خیر القرون کا دور تھا اور اب وہ زمانہ نہیں رہا، اس میں شک نہیں کہ دور حاضر خیر القرون کا دور نہیں ہے، لیکن کسی کو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ آنحضور ﷺ کے فرامین صرف خیر القرون کے لئے نہیں ہیں بلکہ قیامت تک آنے والے ہر دور کے لئے ہیں۔ زمانہ کے بدلنے سے آنحضور ﷺ کے فرامین نہیں بدلتے ہیں اور نہ منسوخ ہوتے ہیں۔

آنحضور ﷺ عورتوں کو دینی تعلیم و تربیت کی مجالس سے جوڑنے کا کتنا زیادہ اہتمام فرماتے تھے، بخاری و مسلم کی ایک روایت سے اچھی طرح اندازہ کیا جا سکتا ہے: عن ام عطیة

قالت أمرنا أن تخرج الحيض يوم العيدين و ذوات الخدور فيشهدن جماعة المسلمين و دعوتهم و تعتزل الحيض عن مصلاهن قالت إمرأة يا رسول الله إحدانا ليس لها جلباب قال لتلبسها صاحبتها من جلبابها (بخاری و مسلم با ب صلوة العيدين)

حضرت ام عطیہؓ سے روایت ہے کہا ہم کو حکم دیا گیا کہ ہم حیض والی اور پردہ والی عورتوں کو عیدین کے دن نکالیں پس وہ مسلمانوں کی جماعت اور ان کی دعا میں حاضر ہوں، اور حیض والیاں نماز پڑھنے کی جگہ سے الگ رہیں ایک عورت نے کہا اے اللہ کے رسول ہم میں سے ایک ایسی ہے کہ اس کے لئے چادر نہیں ہے، فرمایا اس کے ساتھ والی اپنی چادر سے اڑھا دے۔

عیدین کی نماز میں چونکہ اہم خطبے ہوتے ہیں اس لئے آنحضور ﷺ عورتوں کو شریک کرنے کا حکم دیتے تھے تاکہ وہ خطبے سن سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ حیض والی عورتوں کو بھی شریک کیا جاتا تھا۔ ساتھ ہی مذکورہ روایت سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ یہ اہتمام پردہ کا حکم نازل ہونے کے بعد ہوتا تھا۔

الغرض عورتوں کا مساجد میں آنا ان کا دینی حق اور ان کی تعلیم و تربیت کا ایک اہم ذریعہ ہے اور ان کو اس حق سے محروم کرنا ناجائز ہے البتہ دور حاضر میں احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ عورتوں کے لئے مساجد میں آنے کا دروازہ مردوں کے دروازہ سے الگ رکھا جائے اور مساجد میں عورتوں اور مردوں کے صفوں کے درمیان کوئی پردہ کر دیا جائے تاکہ عورتیں مردوں کو نہ دیکھ سکیں اور نہ مرد عورتوں کو دیکھ سکیں۔ یہ پردہ موٹے کپڑے کا بھی ہو سکتا ہے یا پتلی دیوار کا بھی ہو سکتا ہے۔ عورتوں کی یہ صفیں مردوں کی صفوں کے پیچھے بھی ہو سکتی ہیں یا دائیں بائیں بھی، اور اگر امام کی آواز ان تک نہ پہنچے تو مائک کے ذریعہ آواز پہنچنے کا نظم کر دیا جائے۔ اس احتیاطی پہلو سے ان لوگوں کے شبہات بھی دور ہو جائیں گے جو دور نبوی اور دور حاضر کے فرق کو دیکھ کر عورتوں کے مساجد میں آنے کو برا سمجھتے ہیں کیوں کہ یہ بات اسلامی تاریخ سے ثابت ہے کہ دور نبوی میں عورتوں اور مردوں کے صفوں کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا تھا صرف عورتوں کی صفیں مردوں اور بچوں کے پیچھے ہوتی تھیں۔ ☆☆

بہائیت : تجزیاتی تعارف

دانش ریاض فلاحی

اٹھارہویں صدی کا اخیر اور انیسویں صدی کی شروعات عالم اسلام کے لئے انتہائی کربناک رہی ہے، مغربی سامراج اپنے پورے جاہ و جلال کے ساتھ امت کے شیرازے کو بکھیرنے نیز عالم اسلام کو اپنے شکنجے میں کسنے کی تدابیر اختیار کر رہا تھا۔ اس منصوبے میں کامیابی کی خاطر جہاں اس نے جنگی قوتوں کا استعمال کیا اپنی ذہنی قوتیں بروئے کار لایا وہیں فکری طور پر امت کی جڑیں کھوکھلی کرنے کی کوششیں کیں۔ جس کے لئے نئے ادیان و نظریات جنم دے کر اس کی پرورش و پرداخت کی اور امت کو سبوتاژ کرنے کا لامتناہی سلسلہ شروع کر دیا، کمیونزم، جمہوریت، قادیانیت اور بہائیت اسی دور کی پیداوار ہیں۔ ان ادیان و نظریات کو اسلامی سانچے میں ڈھال کر عالم اسلام میں متعارف کرایا گیا۔ اس کی ترویج و اشاعت کے لئے تمام تر قوتیں بروئے کار لائی گئیں۔ نظریاتی طور پر کمیونزم و سوشلزم کا مختصر مدت میں ہی خاتمہ ہو گیا۔ البتہ جمہوریت نے اپنی جڑیں بنا لیں۔ اسلامی اساس کو منہدم کرنے کے لئے سنی حلقے میں جہاں قادیانیت کو ترویج دی گئی وہیں شیعی حلقے میں بہائیت کی پرورش و پرداخت کی گئی۔ موجودہ دور میں جمہوریت کی آڑ لے کر جس طرح ان دونوں باطل مذاہب کو عالمی مذاہب کے طور پر پیش کیا گیا ہے یہ تمام کے تمام عیاں ہے۔ یہودیوں کی پشت پناہی میں قادیانیت نے شریعت اسلامی کو کالعدم قرار دیتے ہوئے جس سرعت سے اپنے کو پھیلایا اس سے پریشان ہو کر ''امت متحدہ'' محاذ بنا کر ان پر پل پڑی اور ان کی تحریکوں سے پورے عالم اسلام کو متعارف کرایا۔ قادیانیت کی قلعی کھلنے کے بعد بہائیت نے اپنے چولے کو بدلا اور انتہائی سبک روی سے اپنے اثرات امت کے اندر منتقل کرنے کی کوشش کی۔ موجودہ دور میں اس نے جس طرح عالم اسلام کے ساتھ ساتھ عام مسلمانوں کو اپنے دام فریب میں گرفتار کیا ہے اس سے ابھی بہت سارے لوگ نابلد ہیں۔ بہائیت کی حقیقت سے روشناس کرنے کے لئے مندرجہ ذیل سطور میں اس کا تجزیاتی تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔

بانی و اکابرین:-

اس مذہب کے بانی میں اولین نام سید محمد باب کا آتا ہے جنہوں نے سب سے پہلے عوام الناس کے سامنے اس مذہب کا تعارف پیش کیا۔ سید محمد باب یکم محرم ۱۲۳۵ھ ہجری کو ایران کے ایک معروف شیعہ شہر شیراز میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد محترم سید محمد رضا کا اسی وقت انتقال ہو گیا جبکہ یہ چھوٹے تھے۔ والد کی شخصیت ایران میں محترم و معتبر تھی۔ وہ اپنے حلقے میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ والد کے انتقال کے بعد ماما سید علی نے ان کی پرورش و پرداخت پر توجہ دی۔ ابتدائی تعلیم کے لئے شیخ عابد کے حضور حاضر کیا گیا جو اس وقت کے مشہور و معتبر عالم دین تھے۔ حضرت باب کی ذہانت کا ثبوت بچپن ہی سے ملتا ہے۔ رسم بسم اللہ پر جب استاد نے ان سے بسم اللہ الرحمن الرحیم کی قرات کو کہا تو آپ نے استاد محترم سے پہلے اس کی تشریح طلب کی، استاد نے قصداً لاعلمی کا اظہار کیا تو انھوں نے اس کی ایسی جامع تشریح کی کہ وہ بھی مبہوت ہو گئے۔

اپنی ذہانت کے طفیل ہونے پر کم عمری میں ہی اپنے معلموں سے بیزار ہو کر درس گاہ سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور تجارت کی طرف متوجہ ہو گئے۔ والد محترم کی وفات کے بعد سے ہی وہ اپنے ماما سید آقا کے ساتھ تھے بالآخر انھیں کے ساتھ اپنی تجارت بھی شروع کر دی۔ ۱۷ سال کی عمر میں شیراز چھوڑ کر بوشہر چلے گئے جہاں پانچ سال تک تجارت میں مشغول رہے اسی درمیان انہوں نے لوگوں کو اپنا معتقد بنانا شروع کیا۔ ۲۲ سال کی عمر میں مرزا علی قاسم کی بہن سے ان کا نکاح ہوا ان کے بطن سے احمد پیدا ہوئے جن کا مذہب کے آغاز سے ایک سال قبل ہی ۱۸۴۳ میں انتقال ہو گیا۔ (۴)

بوشہر میں تشریف آوری کے بعد پہلی مرتبہ مئی ۱۸۴۴ء کو انہوں نے نئے مذہب کا آغاز کیا۔ اس اعلان کے وقت آپ کی عمر پچیس سال تھی۔ آپ نے ''باب'' ہونے کا دعویٰ فرمایا۔ جس سے مراد یہ تھی کہ آپ ایک عظیم الشان ہستی کے فتوحات کا دروازہ ہیں جو ابھی پردۂ غیب میں ہے۔ ملا حسین بشرویہ جو سید کاظم رشتی کے شاگردوں میں سب سے اعلیٰ مقام رکھتے تھے سب سے پہلے ایمان لائے پھر ایمان لانے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ جب اٹھارہ آدمی ایمان لا چکے تو حضرت باب نے ان اولین اٹھارہ مومنین کو ''حروف حی'' کا لقب دیکر اپنے ظہور کی دعوت و بشارت کے لئے

ایران و عراق میں بھیج دیا اور حکم دیا کہ جب تک ہم خود اپنے امر کا اعلان نہ کریں کسی کو نام نہ بتایا جائے۔ اسی سال حضرت باب بنفسِ نفیس مکۂ معظمہ تشریف لے گئے۔ مناسکِ حج ادا کرنے کے بعد آپ نے اپنے دعوے کا اعلان فرمایا۔ مدینہ زیارت کے بعد بوشہر تشریف لائے۔ "حروفِ حی" کے ساتھ ساتھ آپ کی دعوت و تبلیغ نے پورے ایران میں کھلبلی پیدا کر دی۔ (۳) آپ اور آپ کے اصحاب کی کارروائیوں پر حاکمِ وقت نے پابندیاں عائد کیں اور شیراز چھوڑ کر چلے جانے کو کہا۔ بالآخر باب اور سید کاظم اصفہان پہنچ گئے۔ "حروفِ حی" جو مختلف اطراف میں پھیلے ہوئے تھے ان کے خلاف بھی عوام الناس کے جذبات مشتعل ہونے لگے۔ ایسے میں بابیوں نے بھی ہر طرح سے مقابلہ کیا اور اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔ جب ان تمام کے خلاف عوام کے ساتھ علماء کا احتجاجی طوفان کھڑا ہوا تو حاکمِ وقت نے ۹ جولائی ۱۸۵۰ء کو ۳۱ سال کی عمر میں انھیں قتل کروا دیا۔ (۴)

حضرت باب کے قتل کے بعد تمام بابیوں نے روپوشی میں ہی عافیت سمجھی؟ لہٰذا تمام کے تمام روپوش ہو گئے البتہ خفیہ طور پر انھوں نے اپنے مشن کو جاری رکھا۔ تقریباً ۹ سال تک اپنی طاقت کو مجتمع کرتے اپنا حلقہ اثر بڑھانے میں یہ لوگ مشغول رہے اسی اثناء ۱۸۵۲ء کو بہاء اللہ نے "من یظہرہ اللہ" ہونے کا دعویٰ کیا۔

حضرت بہاء اللہ کا نام مرزا حسین علی ہے ایران کے مشہور نوری خاندان میں ۲ محرم ۱۲۳۳ھ کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مرزا عباس فتح علی شاہ کے وزیروں میں تھے۔ حضرت بہاء اللہ نے علوم و فنون کی تحصیل نہیں کی ابتدا معمولی لکھائی پڑھائی گھر پر ہی ہوئی۔ آپ کی زندگی کا ابتدائی حصہ آرام و راحت اور نعم میں گزرا جب حضرت باب نے دعویٰ کیا اور ان کی شہرت ہوئی تو بہاء اللہ نے تصدیق فرمائی۔ جب ۱۸۵۲ء میں ناصر الدین شاہ پر گولی چلنے کا حادثہ پیش آیا تو بہاء اللہ کو گرفتار کر کے چار مہینے قید رکھا گیا۔ جب تحقیق سے ثابت ہوا کہ اس حملہ سے ان کا تعلق نہیں تھا تو شاہ نے بہاء اللہ کو چھوڑ دیا اور عراق بھیج دینے کا حکم دیا۔ ۱۲ اکتوبر ۱۸۵۲ء کو آپ بغداد پہنچے آپ کے بغداد پہنچتے ہی بابیوں کی قوت میں اضافہ ہوا اور ان کی منتشر طاقت متحد ہونے لگی۔ یہاں آکر اس سال اپنے احباب کے سامنے آپ نے اپنے دعوے کا اظہار کیا۔ سال بھر کا عرصہ گذرنے کے بعد آپ سلیمانیہ کے جنگلوں میں اور پہاڑوں میں چلے گئے تقریباً دو سال بعد آپ بیابان نوردی سے واپس

بغداد تشریف لائے۔ علماء کرام اور عوام کے اختلافات کو دیکھتے ہوئے ایرانی حکومت نے ترکی خلافت کے مرکز آستانے میں کوشش کی کہ حضرت بہاء اللہ کو بغداد سے کہیں دور بھیج دیا جائے حکومت آستانہ نے اس تجویز کو مان لیا اور بہاء اللہ کو مع ساتھیوں کے نجیب پاشا کے باغ نجیبیہ میں پہنچا دیا۔ یہ قافلہ اس باغ میں بارہ دن مقیم رہا۔ ۲۱ اپریل ۱۸۶۳ء سے ۳۰ اپریل ۱۸۶۳ء تک عید منائی گئی اور اسے عید رضوان کہا گیا اسی مناسبت سے باغ کا نام باغِ رضوان ہوا۔ حضرت بہاء اللہ نے اعلان فرمایا کہ آپ وہی موعود ہیں جس کی حضرت باب نے بشارت دی تھی جسے وہ "من یظہرہ اللہ" کہتے تھے اور جس موعود کی بشارت تمام پیغمبروں نے دی تھی۔ حضرت بہاء اللہ اپنے قافلے کے ساتھ اگست ۱۸۶۳ء میں آستانہ پہنچے اور تقریباً چار مہینے مقیم رہے وہاں سے ادرنہ گئے یہاں تقریباً ساڑھے چار سال قیام رہا یہاں پر بہت سارے بابی حضرات جمع ہو گئے اور بہائی کہلانے لگے۔ جب یہاں بھی عوامی شورش زیادہ ہوئی تو آپ عکہ فلسطین چلے گئے جہاں الواح کا سلسلہ شروع کیا۔ معمولی بخار کے بعد ۲۸ مئی ۱۸۹۲ء کو حضرت بہاء اللہ نے رفیقِ اعلیٰ کی "صعود" فرمایا۔ آپ ۷۵ سال دنیا میں رہے چالیس سال دعوے اور دعوت و تبلیغ میں صرف کیے صعود سے قبل وصیت نامے پر عبد البہاء کو اپنا جانشین مقرر کیا یہ وصیت نامہ کتابِ عہد کے نام سے مشہور ہے۔ (۵)

حضرت عبد البہاء کی تیز بصیرت کا یہ عالم تھا کہ ۹ سال کی عمر میں ہی انھوں نے محسوس کر لیا تھا کہ ان کے والد ماجد موعود ہیں جن کا حضرت باب کے پیروؤں کو انتظار ہے۔ وہ آٹھ سال کی عمر سے ہی اپنے والد ماجد کے دکھ درد اور قید و بند میں شریک رہے اور ان کے صعود کے بعد بھی سولہ سال تک نظر بند رہے بالآخر ۱۹۰۸ء میں رہا ہوئے۔ انھوں نے حضرت بہاء اللہ کے دین و آئین کو اپنے تبلیغی سفر کے ذریعے یورپ اور امریکہ تک پہنچایا۔ آپ عربی فارسی اور ترکی زبان جانتے تھے اور ان میں خطاب بھی کرتے تھے۔ انھوں نے ۱۹۲۱ء یعنی اپنے صعود تک انتھک محنت، پاک زندگی اور اعلیٰ خدمت سے دنیا کے ہر حصہ میں امر بہائی کی جڑیں استوار کیں۔ (۶)

حضرت عبد البہاء کی وصیت کے مطابق ان کے نواسے حضرت شوقی آفندی امر بہائی کے ولی امر اور جانشین مقرر ہوئے انھوں نے ۳۶ سال تک بہائی دنیا کی قیادت فرمائی ان کے دورِ ولایت میں امر بہائی دنیا کے ۲۵۴ ممالک میں پھیل گیا۔ انھوں نے حضرت بہاء اللہ کی الواحِ مبارکہ کی

نو دین و ترجمہ کا کام سر انجام دیا۔ بہ ظہور بہ مثل "نظم و دری" رائج کیا اور حضرت بہاء اللہ کی کتاب اقدس کے مطابق اپنے دینی بہائی کے اعلیٰ ترین مرکزی ادارہ "بیت العدل اعظم" کے قیام کا انتظام کیا۔ (۷)

عقائد۔

ذات باری تعالیٰ کے سلسلے میں ان کا بھی عقیدہ ہے جو اہل اسلام کا ہے حضرت بہاء اللہ فرماتے ہیں "ہم گواہی دیتے ہیں کہ بجز خدا کے کوئی معبود نہیں وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ وہ اس وقت بھی موجود تھا جب اس کے ساتھ کوئی شے نہ تھی اور جس طرح تھا اسی طرح رہے گا۔ وہ خدائے رحمان اس بات سے بالاتر ہے کہ اہل عرفان کے قلوب اس کی حقیقت کو سمجھ سکیں یا دیدہ کے ادراک کا فہم و ادراک اس کی ذات کی معرفت کے بلند مقام تک پہنچ سکے وہ اپنی ذات کے بغیر ماسوائے عرفان سے پاک ہے۔ بے شک وہ اپنی ازلیت میں تمام جہانوں سے بے پرواہ ہے۔" (۸)

ما کان محمد ابا احد ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین۔ اس آیت کے نزول کے بعد رسالت کے جاری رہنے کو کوئی جواز فراہم نہیں ہوتا اس آیت کریمہ سے یہودی سازشوں کا جس طرح قلع قمع کیا ہے اور اسلام کی جس طور پر حفاظت کی ہے اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ جب ایک یہودی نے حضرت عمرؓ سے کہا تھا کہ کیا آپ اس آیت کے نزول کے بارے میں جانتے ہیں تو آپ نے فرمایا تھا ہاں میں اس کے نزول کو بھی جانتا ہوں اور جس مقام پر جس روز نازل ہوئی اسے بھی جانتا ہوں۔ اس پر یہودی نے کہا کہ اگر یہ آیت ہمارے یہاں نازل ہوتی تو اس روز کو ہم عید سعید کے طور پر مناتے۔

رسالت کے تسلسل اور اک نے انسانیت کو حزب اللہ میں شامل کیا ہے اور جس نے غفلت حزب الشیطان کے حلقے میں لے گئی ہے جھوٹے مدعیوں کے ظہور نے انسانیت کو ہمیشہ گمراہ کیا ہے رسالت کے باب میں تحریف و تبدیل نے ہی گزشتہ ادیان کا تیا پانچہ کیا ہے۔ امت مسلمہ کے تفاوت کی خاص وجہ یہی ہے کہ اس نے رسول کی تعلیمات کو حرز جان بنالیا اور مر کر اس سے انحراف نہیں کیا۔ امت کے اس پہلو سے یہودی ہمیشہ پریشان رہے ہیں۔ ہمیشہ انہوں نے اس باب میں تحریف کی کوشش کی ہے۔ ۱۵ سو سالہ عرصہ میں ہزاروں جھوٹے نبیوں کا ظہور دیکھا ہے بہائیت کے بانی

بھی اسی زمرے میں ہیں۔ انہوں نے بھی اسلام کو داغدار کرنے کے لئے رسالت کے باب کو مشکوک بنانے کی ناکام کوشش کی ہے۔ بہاء اللہ نے رسالت کو "مظہر" کے نام سے معنون کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں "اے خدا میری ہیکل میں بغیر خدائی ہیکل کے، میرے جمال میں بغیر خدائی جمال کے، میری حقیقت میں بغیر خدائی حقیقت کے، میرے نفس میں بغیر خدائی نفس کے، میری حرکت میں بغیر خدائی حرکت کے، میرے سکون میں بغیر خدائی سکون کے اور میری قلم میں بغیر اس کی قلم کے اور کچھ، کوئی نہیں دیکھا، میری روح میں سوائے حق کے اور کچھ نہیں اور مجھ میں سوائے خدا کے اور کچھ مشہود نہیں" (۹)

اس فلسفے کو مکالمے کے انداز میں اس طرح بیان کیا ہے۔ خالد: کیا اللہ جل شانہ نے نہیں فرمایا ہے کہ دین کامل ہو چکا ہے؟ الیوم اکملت لکم............ (مائدہ ۲۵) تو پھر دوسرے دین کی ضرورت ہی کیا ہے؟ .... زید: اس آیت مبارکہ میں ہم مسلمان مخاطب ہیں اور اس آیت سے پہلے کی آیت یہ ہے "الیوم یئس الذین کفروا من دینکم" آج تمہارے دین سے کافر مایوس ہو گئے ہیں، پس خدا نے صاف صاف بتا دیا ہے کہ تمہارا دین اپنے نزول میں کامل ہو چکا ہے کیونکہ شریعت محمدیہ آہستہ آہستہ نازل ہوئی اور یہ آیت حجۃ الوداع میں اتری اس کے بعد آنحضرت ﷺ صرف اکیاسی دن دنیا میں رہے اور پھر رفیق اعلیٰ سے جا ملے اور یوں تو جب بھی کوئی شریعت کسی امت کو دی گئی تو وہ اپنے زمانے کی ضروریات کے مطابق کامل ہی تھی خدا ادھورا عطا نہیں فرماتا ہے۔

لقد ارسلنا رسلنا بالبینت و انزلنا معہم الکتب و المیزان لیقوم الناس بالقسط (حدید ۲۵) پس رسول جو کتاب لاتا ہے وہ اپنی ضرورت وقت کے لحاظ سے کامل ہوتی ہے آیت میں دین کے اکمال کا ذکر ہے اس کے متعلق مفسرین یہ کہتے ہیں کہ فرائض و سنن نے حدود و جہاد وغیرہ کے بیان کامل کر دینا مراد ہے اور بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد فتح مکہ اور جاہلیت کا خاتمہ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ کامل طور پر سر ظہور لاتا ہے اس لئے کہ مسلمان فریضہ حج ادا کرنے سے قاصر تھے جب مکہ فتح ہو گیا تو وہ فریضہ حج ادا کرنے پر قادر ہونے اس طرح ارکان کے دین کامل ہو گیا۔

رسالت کے بعد شریعت کی تعبیر اس طرح کی گئی ہے کہ "خدا نے کسی شریعت کو ہمیشہ کے لئے نہیں بنایا اگر کوئی شریعت ہمیشہ رہنے والی ہوتی تو آدم و نوح کی شریعت ہوتی جبکہ شریعت

بدلتی رہی ہیں اور یہ تبدیلی شریعت کا سلسلہ آدمؑ سے محمد ﷺ تک جاری رہا ہے تو آئندہ کیوں نہ رہے گا کیا وجہ ہے کہ پہلی شریعتوں میں تبدیلی ہوتی رہی اور شریعت محمدیہ ناقابلِ تبدیل ہو گئی۔ شریعت کا بدلنا قانونِ الٰہی ہے اور قانونِ الٰہی اٹل ہے فلن تجد لسنة الله تبديلا و لن تجد لسنة الله تحويلا (فاطر : ۴۳) تو کبھی سنت اللہ کو بدلتے ہوئے نہ پائے گا اور تو کبھی سنت اللہ کو ٹلتے نہ پائے گا۔ نوعِ انسانی بلندی اور ترقی کی طرف چلتی رہی ہے۔ ایک شریعت ایک زمانے کے مناسبِ حال ہوتی ہے دوسرے زمانے کے مناسب نہیں ہوتی۔ امتِ محمدیہ بارہ سو سال سے زیادہ آسمان شریعت قرآن کے زیر سایہ رہی اب امت نے اس شریعت کو ترک کر دیا ہے اور اس کے بجائے لوگوں کے بنائے ہوئے قوانین کو جاری کر رہی ہے اس وقت کوئی مسلمان حکومت بھی دنیا میں ایسی نہیں ہے جو پورے طور پر شریعت کو جاری رکھ رہی ہو۔ ایک آدھ بات کو جاری رکھنا کوئی اہمیت نہیں رکھتا بات یہ ہے کہ مسلمان اپنے وجدان سے سمجھ رہے ہیں اور عمل اور رسم سے ثابت کر رہے ہیں کہ شریعت قرآن عصرِ حاضر کے لئے کافی و مناسب نہیں ہے"(۱۱)

وحی والہام کے سلسلے میں بہائی حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت خاتم النبیین ﷺ تک تمام ماقبل پیغمبروں اور اوتاروں کو اور مقدس ویدوں سے لے کر قرآن کریم تک تمام آسمانی کتب مقدسہ کو برحق مانتے ہیں۔ اسی طرح موت کے بعد کی زندگی کو تسلیم کرتے ہیں ان کی تعلیمات کے مطابق انسانی جسم ارتقائے روح کے لئے ایک عارضی مقصد پورا کرتا ہے اور جب یہ مقصد پورا ہو جاتا ہے تو اسے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ (۱۲)

تعلیمات

حضرت بہاء اللہ نے اسلامی شریعت کو کالعدم قرار دیتے ہوئے نئی شریعت کی داغ بیل ڈالی ہے لیکن بہائی کردہ نئی شریعت بھی اسلامی تعلیمات سے مستفاد ہے بہائی سینٹر کی جانب سے شائع کردہ کتاب اقدس کے تعارف میں درج ہے کہ "حضرت بہاء اللہ کے کلام مبارک پر مشتمل ایک سو سے زائد جلدوں میں سے کتاب اقدس منفرد حیثیت کی حامل ہے۔ آپ کے پیغام کا یہ دعویٰ اور چیلنج ہے کہ "یہ پورے عالم کو نئے سرے سے تعمیر کرے گا" کتاب اقدس مستقبل کی اس عالمگیر تہذیب کا دستور اساسی ہے جسے تعمیر کرنے کے لئے حضرت بہاء اللہ تشریف لائے ہیں۔ اس کی

تعلیمات انہیں بنیادوں پر استوار ہیں جو ماضی کے ادیان نے رکھی تھیں۔ کیونکہ حضرت بہاء اللہ خود فرماتے ہیں "یہ خدا کا لاتبدیل دین ہے جو ماضی میں بھی ابدی تھا اور مستقبل میں بھی ابدی رہے گا۔ اس نئے دین میں ماضی کے نظریات و تصورات کو فہم کے نئے معیار کے مطابق بیان کیا گیا ہے اور معاشرتی قوانین کو نئے طلوع ہونے والے عصر کی ضروریات کی مناسبت سے تبدیل کر دیا گیا ہے۔ ماضی کے تمام ادیان کی صداقت کی تائید کرتے ہوئے کتاب اقدس خدا کے سچے پیغمبروں کی تعلیم کردہ ان سچائیوں یعنی توحید الٰہی، ہمسایوں سے الفت، محبت اور دنیاوی زندگی کے اخلاقی پہلو کو دہراتی ہے اس کے ساتھ ساتھ یہ پرانے ادیان کے شرعی ضوابط کے ان پہلوؤں کو منسوخ کرتی ہے جو ابھرتے ہوئے اتحادِ عالم کے قیام اور انسانی معاشرہ کی تعمیر نو میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں۔"

بہاء اللہ نے بارہ بنیادی اصول وضع کئے ہیں، آپ کہتے ہیں کہ "طبیب حاذق کی انگلیاں انسانیت کی نبض پر ہیں وہ بیماری کی تشخیص کرتا ہے اور اس کے لئے اپنی خطا سے پاک دانائی سے علاج تجویز کرتا ہے، ہر دور کے اپنے مسائل ہوتے ہیں اور ہر روح کی اپنی امنگیں .... اس دور کی ضروریات کے متعلق فکر کرو جس میں تم رہ رہے ہو اور اپنے خیالات کو اس کے تقاضوں اور ضرورتوں پر مرکوز رکھو" بارہ اصول حسب ذیل ہیں

(۱) وحدتِ عالمِ انسانی: موجودہ انکشافات و ایجادات نے، آمد و رفت کے تیز رفتار وسیلوں نے، فرد اور فرد کے درمیان، قوم اور قوم کے درمیان، مذہب اور مذہب کے درمیان صدیوں کی کھڑی دیواریں گرا کر رکھ دی ہیں، ہر ادارہ، ہر سماج اور ہر فلسفہ زبردست بحرانی کیفیت سے دوچار ہے اس بحران سے نکلنے کا ایک ہی واحد راستہ ہے کہ انسانی وحدت کے اصول پر ایک نیا عالمی نظام تعمیر کیا جائے اور انسانی زندگی کی تمام مادی و روحانی قدریں نئے سرے سے استوار کی جائیں۔ پچھلے دینوں میں دنیا کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا ایک "پاک شجر" یعنی اہل کتاب دوسرا ناپاک شجر" یعنی بے دین و کافر، لیکن آج خدا نے تمام انسانوں کو یکجہتی کے سمندر میں غوطہ دیا ہے کسی کو حق حاصل نہیں کہ وہ دوسرے کو کافر و ناپاک قرار دے۔ (۱۳)

(۲) حقیقت کی آزادانہ تلاش: بہاء اللہ فرماتے ہیں "آج جو آفتاب صداقت کا خواستگار ہے وہ اپنے دل کو گزشتہ قصوں سے آزاد کرے۔ اس کو ان وہموں کی آگ سے پاک ہونا ہو تاکہ وہ یقین کی روشنی

حاصل کرے۔ انسان کو چاہیے کہ اپنے کان سے سنے، اپنی آنکھوں سے دیکھے اور اپنے دماغ سے سوچے کسی دوسرے کے کانوں سے نہ سنے اس کی آنکھوں سے نہ دیکھے اور اس کے دماغ پر تکیہ نہ کرے۔

(۳) وحدت ادیان: حضرت بہاء اللہ فرماتے ہیں کہ تمام دینوں کے بانی "ایک ہی خیمہ میں متمکن ایک ہی آسمان میں بلند پرواز، ایک ہی عرش پر ساکن، ایک ہی کلام کے متکلم اور ایک ہی امر کے آمر ہیں۔" ایک اور جگہ فرماتے ہیں "اگر تم اس مدینہ احدیت کے باشندے ہو جاؤ تو تمام نبیوں اور رسولوں کو ایک جسم، ایک نفس، ایک نور اور ایک روح مشاہدہ کرو گے" اس کی تشریح اس طرح کی گئی ہے کہ "جس طرح زمانہ ایک تقسیم نہ ہونے والی شے ہے لیکن ہم اسے اتوار، سوموار، جنوری، فروری کے ناموں سے پہچانتے ہیں بالکل اسی طرح ذات خداوندی ایک ہے جس کے مظاہر کرشن، زردشت، موسیٰ، عیسیٰ، محمدؐ، بہاء اللہ کے مختلف ناموں سے موسوم ہیں۔ (۱۶)

(۴) دین باعث اتحاد ہو: دین کا خاصہ یہی ہے کہ وہ ہمارے درمیان سے ظلم و جبر، نفرت، عداوت اور خود غرضی اکھاڑ کر پھینک دے اور نکے جائے ہمارے اندر محبت، اتحاد، بھائی چارہ اور انصاف و عدل کے جذبات پیدا کرے۔ اگر دین ان نیک جذبات کو ابھارنے میں مددگار نہ بنے۔ علاج کے بدلے درد کو اور زیادہ کرے تو عبدالبہاء کے مطابق "ایسا دین کالعدم ہو، اس کے ہونے سے بہتر ہے اور ایسے دین سے بے دینی اختیار کرنا ایک سچا اور حقیقی عمل ہے............ جو دین محبت و اتحاد کا سبب نہیں وہ دین ہی نہیں ہے۔ (۱۷)

(۵) دین اور سائنس کی مطابقت: حضرت بہاء اللہ فرماتے ہیں "دنیا کے انتظام اور تخلیق کے احسان کا سب سے بڑا ذریعہ دین ہے" اور سائنس (علم و عقل) کے متعلق فرماتے ہیں "علم انسان کا دست و بازو اور ترقی کا ذریعہ ہے اور اس کا حاصل کرنا سب پر فرض ہے" عبدالبہاء اس کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ "مذہب اور علم دو پر ہیں جن سے انسان کا شعور بلندیوں پر پرواز کر سکتا ہے۔ محض ایک ہی پر سے پرواز ممکن نہیں۔ اگر انسان صرف مذہب کے پر سے اڑنے کی کوشش کرے گا تو وہ وہموں کی دلدل میں گر جائے گا۔ سائنس کے پر سے بھی وہ کوئی ترقی نہیں کر سکتا بلکہ مادیت کے افسوسناک گڑھے میں گر پڑے گا۔ (۱۸)

(۶) مرد و زن میں مساوات حقوق: حضرت عبدالبہاء فرماتے ہیں "نوع انسان ایک پرندے کی

مانند ہے جس کے دو بازو ہیں۔ ایک بازو مرد ہے اور دوسرا بازو عورت ہے جب تک دونوں بازو مضبوط قوت سے نہ چلائے جائیں گے پرندہ آسمان کی طرف اڑ نہ سکے گا۔ (۱۹)

(۷) تمام تعصبات کا خاتمہ: عبدالبہاء فرماتے ہیں "تعصب جس قسم کا بھی ہو بشر کی جڑ اکھاڑتا ہے جب تک یہ تعصب نہ مٹ جائے عالم انسانی کو راحت نصیب نہیں ہو گی۔"

(۸) عالمگیر امن و صلح: حضرت بہاء اللہ نے فرمایا ہے "سب انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ نوع انسان میں محبت و اتحاد کے رشتے مضبوط ہو جائیں۔ مذہب کے اختلاف اٹھ جائیں اور قومیت کے تفرقے ختم ہو جائیں۔ یہ مختلف افراد کی طرح زندگی بسر کریں" عبدالبہاء کہتے ہیں "اس وقت عالمگیر امن بہت ہی اہمیت رکھتا ہے، مگر اتحاد کا وجدان ضروری ہے تاکہ اس امر کی بنیاد مضبوط، اس کا قیام پختہ اور اس کی عمارت مضبوط ہو"

(۹) عالمگیر علم اور جبری تعلیم: حضرت بہاء اللہ فرماتے ہیں "علم انسانی وجود کے لئے بازو کی مانند اور اس کی ترقی کے لئے سیڑھی کی طرح ہے اس کا حاصل کرنا سب پر فرض ہے لیکن علم سے مراد وہ علوم ہیں جن سے نتیجہ پیدا ہو نہ کہ وہ علوم جو صرف الفاظ سے شروع ہوتے اور الفاظ پر ختم ہوتے ہیں"۔ (۲۰)

(۱۰) عالمگیر معاشی مسائل کا حل: آئین بہائی میں اقتصادی حل متوازن اور قاعدہ یا ہو تو مسائل کا حل لازم ہے جس میں "ذاتی فائدہ" ہی ہے اس تحریک کو ختم کرنا بے سود ہے کیونکہ انسان کی ساری تنظیم نفسیات کی معقول بنیاد پر ہی رکھی جا سکتی ہے۔ البتہ منافع عادلانہ طریقہ پر سب میں تقسیم کیا جائے گا اور یہی وہ قانون ہے جو اقتصادیات یا سیاسیات دونوں کے لئے تحفظ کی بنیاد ہے۔ (۲۱)

(۱۱) عالمگیر زبان اور رسم الخط: بہاء اللہ فرماتے ہیں "اتحاد کا سب سے بڑا ذریعہ یہ ہے کہ لوگ ایک دوسرے کی تقریر و تحریر سمجھ سکیں...... یا تو موجودہ زبانوں میں سے کسی ایک زبان کو اختیار کریں یا کوئی نئی زبان بنا لیں۔ اسی طرح طرز تحریر میں سے کوئی ایک طرز تحریر اختیار کر لیں اور دنیا کے مدارس میں بچوں کو اسی زبان اور اسی خط میں تعلیم دیں تاکہ دنیا ایک وطن اور ایک ملک دکھائی دینے لگے" (ان کی ایجاد کردہ نئی زبان ایسپرانتو ہے جس ۱۸۸۷ء میں پولینڈ کے لڈوک زامن آف نے ایجاد کیا ہے۔) (۲۲)

عالمگیر عدالتِ عالیہ: اس عدالت کے ذریعے بین الاقوامی سرحدوں کا تحفظ، قومی وقار اور قوموں کے متعلق تمام دوسرے مسائل کا حل عدل و انصاف سے ہونا لازمی ہے حضرت عبدالبہاء نے ۱۹۱۱ء میں پیرس میں ایک گفتگو میں فرمایا "تمام قومیں اور حکومتیں ایک عدالتِ عالیہ قائم کریں گی جس میں ہر قوم اور ہر حکومت کے منتخب نمائندے ہوا کریں گے اس بڑی کونسل کے ممبر اتحاد کے ساتھ جمع ہوا کریں گے، تمام بین الاقوامی جھگڑے اس عدالت کے سامنے پیش ہوا کریں گے اور اس عدالت کا کام ان سب الجھنوں کو سلجھانا ہوگا جو جنگ کا موجب ہوں۔ (۲۳)

یوں تو بہاء اللہ نے اپنی شریعت کی اساس کے لئے سیکڑوں الواح ترتیب دے ہیں لیکن ان تمام میں کتاب اقدس کو تقدس کا درجہ حاصل ہے۔ یہ ۱۹۰ آیات پر مشتمل ہے، کتاب اقدس بعد کے لئے تغیر و تبدل سے مبرا ہے البتہ کتاب العدل زمان و مکان کے اعتبار سے تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ کتاب اقدس میں درج ہے کہ "تمام احتیاجی اہم معاملات جو احکام الٰہی کی اساس ہیں واضح طور پر کتاب العدل میں درج کر دیے گئے ہیں لیکن ثانوی قوانین بیت العدل کے لئے چھوڑ دیے گئے ہیں۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ زمانہ ہمیشہ ایک جیسا نہیں رہتا کیونکہ تغیر و تبدل اس دنیا اور زمان و مکان کی لازمی صفت ہے اور ناگزیر ضرورت ہے لہذا بیت العدل اس کے مطابق اقدامات کرے گا۔ (۲۴)

بہائیت نے اسلام کی ان تعلیمات کو بالکل حذف کر دیا ہے جو شریعت میں اصل و اساس کی حیثیت رکھتی ہیں مثلاً نماز دین کا بنیادی ستون ہے، لیکن کتاب اقدس میں درج ہے۔

قد عفونا عنکم صلوٰۃ الآیات اذا ظہرت اذکروا اللہ بالعظمۃ و الاقتدار انہ ھو السمیع البصیر (آیت ۱۱)

(ہم نے تم کو نماز آیات کی ادائیگی کے حکم سے معافی دے دی ہے جب قدرتی آفات ظاہر ہوں تو اللہ تعالیٰ کی عظمت و اقتدار کا ذکر کرو بیشک وہی سمیع و بصیر ہے)۔

انسان خدا کے حضور جھکنے، اپنی عاجزی و انکساری کو ظاہر کرنے، مدد طلب کرنے کا عادی ہوتا ہے، فطرتِ انسانی بغیر مناجات، قیام و قعود کے سفرِ حیات طے نہیں کر سکتی لہذا اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے دوسری ہی آیت میں فرمایا: کتب علیکم الصلاۃ فرادی قد رفع حکم الجماعۃ الا فی صلاۃ المیت انہ لھو الآمر الحکیم O (آیت ۱۲) (تم میں سے ہر ایک پر فرداً فرداً نماز

کی ادائیگی فرض کی گئی ہے سوائے نماز جنازہ کے باجماعت نماز کا حکم منسوخ کر دیا گیا ہے۔ در حقیقت وہی حکم دینے والا اور حکیم ہے) سفرِ انسانی زندگی کی ناگزیر ضرورت ہے۔ جمعیت کے عالم میں مالکِ حقیقی ہی پر ہر ایک کا دارومدار ہوتا ہے۔ ہر شخص آفات و مصائب سے پناہ مانگنے کے لئے سفر میں بطورِ خاص رب کی کبریائی اور اس کے حضور انابت کا جذبہ اپنے اندر پروان چڑھاتا ہے۔ اس فطری جذبے کو پیش نظر رکھتے ہوئے فرمایا: ولکم و لھن فی الاسفار اذا نزلتم و استرحتم المقام الامن مکان کل صلوٰۃ سجدۃ واحدۃ و اذکروا فیھا سبحان اللہ ذی العظمۃ و الاجلال و الموھبۃ والافضال والذی عجز یقول سبحان اللہ انہ یکفیہ بالحق انہ لھو الکافی الباقی الغفور الرحیم (آیت ۱۴) دورانِ سفر جب تم کسی محفوظ مقام پر رکو اور آرام کرو تو تم مرد ہو یا عورت، ہر قضا نماز کی جگہ ایک سجدہ ادا کرو اور اس میں یہ "پڑھو، "اللہ تعالیٰ کی تعریف ہو جو عظمت و جلال اور الطاف و افضال کا مالک ہے۔" اور جو یہ پڑھنے سے قاصر ہو وہ صرف سبحان اللہ کہہ دے تو یقیناً یہ اس کے لیے کافی ہوگا۔ در حقیقت اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔)

نماز کو تین حصے میں تقسیم کیا گیا ہے اور مندرجہ ذیل صورتیں وضع کی گئی ہیں۔ ۱۔ صلوٰۃ کبیر ۲۔ صلوٰۃ وسطیٰ ۳۔ صلوٰۃ صغیر۔

۱۔ صلوٰۃ کبیر: چوبیس گھنٹوں میں صرف ایک بار پڑھنا فرض ہے۔ ۲۔ صلوٰۃ وسطیٰ: روزانہ صبح، دوپہر اور شام کو ادا کرنا ہے۔ ۳۔ صلوٰۃ صغیر: دن میں ایک بار زوال کے وقت پڑھنی چاہیے۔

حضرت بہاء اللہ نے اپنے صعود کے بعد اپنی آرام گاہ کو قبلہ قرار دیا ہے، لہذا نماز ادا کرتے وقت قبلہ کی طرف رخ کرنا واجب ہے۔ بلوغت کی عمر کو پہنچنے پر جو کہ پندرہ سال مقرر کی گئی ہے تمام مرد و عورت پر نماز پڑھنا فرض ہے۔ تین نمازوں میں سے کسی ایک نماز کا انتخاب کرنے کی اجازت ہے، اسی طرح صلوٰۃ کبیر چوبیس گھنٹوں میں صرف ایک بار ادا کرنا کافی ہے، صلوٰۃ صغیر کھڑے ہو کر ادا کی جائے گی۔

نظم اداری:

نظم اداری ایک عالمگیر فیڈریشن کی صورت ہے۔ اس کی بنیاد روحانی طور پر نئے سرے سے زندہ ہوئے مردوں اور عورتوں پر ہے۔ یہ 'عالمگیر فیڈریشن' ایک الہامی قانون اور لیڈرشپ

کے تحت کام کرتی ہے۔ اس کا پانچواں اخلاق اور مشہور عام کوئی ہے۔ یہ خود مختار حکومت کرنے والی اور جماعتی گروہی تسلط سے مکمل طور پر آزاد ہے۔ اسکے تین عظیم ادارے ہیں۔

۱۔ محفل روحانی محلی، ۲۔ محفل روحانی ملی، ۳۔ بیت العدل اعظم (۲۶)

۱۔ محفل روحانی محلی: جس گاؤں یا شہر میں نو یا نو سے زیادہ بالغ بہائی ہوں وہ ہر سال انتخاب کے ذریعہ ایک محفل تشکیل دیتے ہیں۔ ووٹ دینے کا طریقہ یہ ہے کہ بہائی اپنے ۹ افراد کے نام جو ان کی نظر میں پسندیدہ ہوں ووٹ پرچی پر لکھ دیتا ہے اور ایک صندوق میں ڈالتا ہے پھر جن ۹ بہائیوں کے حق میں سب سے زیادہ ووٹ نکلیں وہ ایک سال کے لئے محفل کے رکن بن جاتے ہیں۔ کوئی امیدوار نہیں ہوتی یا کسی کے حق میں کوئی پروپیگنڈہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ یہ محفل اپنے دائرہ عمل میں دینی معاملات کی رہنمائی اور بہائی جماعت کے مسائل طے کیا کرتی ہے۔ (۲۷)

۲۔ محفل روحانی ملی: ہر ملک میں جتنی بھی محافل روحانی محلی ہوں ان کے منتخب نمائندے جو تناسب کے لحاظ سے مقرر ہوتے ہیں ہر سال ایک سالانہ اجتماع میں ملک بھر کے لئے نو بہائیوں پر مشتمل ایک ملی محفل کا انتخاب کرتے ہیں۔ انتخاب کا طریقہ وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا۔ یہ محفل ملی پورے ملک کی تمام محافل محلی کی رہنمائی و نگرانی اور ملکی پیمانے پر دینی امور طے کرتی ہے۔ (۲۸)

۳۔ بیت العدل اعظم: تمام ممالک کی محافل روحانی ملی کے منتخب نمائندے ہر پانچ سال کے بعد دنیا بھر کی بہائی جماعت سے نو بہائیوں کا انتخاب کرتے ہیں جو بیت العدل اعظم کے رکن بن جاتے ہیں۔ یہ عظیم ادارہ تمام دنیا کی محافل روحانی ملی کی نگرانی اور دینی امور کی رہنمائی کرتا ہے۔

ان کے علاوہ کئی دوسرے ادارے مثلاً ایادی امر اللہ، معاونین ایادی امر اللہ، بیت مشاورین وغیرہ محلی، ملی اور بیت العدل کے تحت کام کرنے والی کئی کمیٹیاں بھی بہائی نظم اداری کے اہم جز ہیں

بہائیوں نے اپنی وسعت و پھیلاؤ کا جائزہ لینے کے لئے ۱۹۹۰ء میں عام مردم شماری کرائی اور اپنا جائزہ لیا جس کا خاکہ حسب ذیل ہے۔

ملکوں کی تعداد جن میں بہائی ہیں	۲۳۷ سے زائد
محفل روحانی محلی کی تعداد	۳۰۰۰۰
محافل ملی کی تعداد	۱۳۰
زبانیں جن میں بہائی لٹریچر دستیاب ہے	۶۶۰ سے زائد
دنیا میں بہائیت کی تعداد	۱۰،۵۰۰۰۰
ہندوستان میں محافل محلی کی تعداد	۱۲۰۰۰ (۳۰)

خلاصہ بحث: بہائیت کی سبک رفتاری سے ترقی اور عام مسلمانوں کا اس کی طرف میلان اہل دین امت کے لئے لمحۂ فکریہ ہے ان کی چالبازی و چرب زبانی نے غیر تعلیم یافتہ کے ساتھ ساتھ تعلیم یافتہ طبقہ کو بھی متاثر کیا ہے۔ ان کے لٹریچر کا ایک خاص پہلو یہ ہے کہ اگر آپ اردو، فارسی، عربی میں مطالعہ کریں گے تو ان کے استدلال کا محور قرآن و حدیث ہو گا اگر آپ ہندی میں مطالعہ کریں تو وید، گیتا، رامائن اور وید سے دیں گے لیکن اگر آپ انگریزی زبان کی طرف رجوع کریں تو ان کے نقطۂ نظر کا تمام محور New Testament اور Old Testament قرار پائے گا۔ اس طرح جب ہم اس کا تجزیہ کرتے ہیں تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ بہائیت نے اپنے پھیلاؤ، قیام و بقاء کے لئے جس طرح کوششیں کی ہیں ان کوششوں میں بہائیت کا رول ان کی نگاہ میں قابل تحسین ہے۔ لہٰذا امت مسلمہ خصوصاً علماء دین پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ان کے اثرات کو زائل کرنے کے لئے ٹھوس لائحہ عمل تجویز کریں اور امت کے ساتھ ساتھ انسانیت کو ان حقیقتوں سے روشناس کرائیں تاکہ ان کا بطلان واضح ہو اور انسانیت حق کی پیروکار بن سکے۔

طوالت کے خوف سے بہت سارے مباحث کو شامل نہیں کیا گیا ہے۔ انشاء اللہ کبھی آئندہ اس کا احاطہ کیا جائے گا۔

حوالہ جات

۱۔ ڈان ریکرس ص ۶۳
۲۔ ڈان ریکرس ص ۶۶
۳۔ التبیان والبرہان ص ۲۹
۴۔ ڈان ریکرس ص ۶۳۔۶۱
۵۔ التبیان والبرہان ص ۸۰۔۸۱
۶۔ آئین بہائی ص ۲
۷۔ آئین بہائی ص ۷
۸۔ آئین بہائی ص ۲۹
۹۔ آئین بہائی ص ۳۰
۱۰۔ التبیان والبرہان ص ۲۹

۱۔ الحیات والبرہان	ص ۲۹	۲۔ [illegible]	ص ۳۱
۳۔ کتاب اقدس	ص ۶، ۷	۴۔ [illegible]	ص ۹
۵۔ آئین بہائی	ص ۹	۶۔ آئین بہائی	ص ۹
۷۔ آئین بہائی	ص ۱۰	۸۔ آئین بہائی	ص ۱۳
۱۹۔ آئین بہائی	ص ۵	۲۰۔ آئین بہائی	ص ۱۶، ۱۹، ۲۱
۲۱۔ آئین بہائی	ص ۲۲	۲۲۔ آئین بہائی	ص ۲۵
۲۳۔ آئین بہائی	ص ۲۸	۲۴۔ کتاب اقدس	ص ۱۰
۲۵۔ کتاب اقدس	ص ۱۳۱	۲۶۔ آئین بہائی	ص ۲۸
۲۷۔ آئین بہائی	ص ۲۸	۲۸۔ آئین بہائی	ص ۲۸
۲۹۔ آئین بہائی	ص ۲۸	۳۰۔ آئین بہائی	ص ۲۸

وہ کتب جن سے استفادہ کیا گیا۔

(۱) الکلمات المکنونہ (۲) آفتاب ظہور (۳) بہائی دھرم ایک پریچے
(۴) حضرت ظہور (۵) بہاء اللہ (۶) کتاب اقدس (۷) الحیات والبرہان
(۸) آئین بہائی (۹) مجموعہ مناجات (۱۰) دلائل قاطع ایک [illegible] ثبوت
(۱۱) ختم نبوت کی حقیقت (۱۲) [illegible] (۱۳) آفتاب ایمان

☆ ☆ ☆

حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"دریائے فرات کے کنارے ایک بکری کا بچہ بھی اگر ضائع ہو جائے تو مجھے ڈر لگتا ہے کہ اللہ مجھ سے باز پرس کرے گا"۔

کنز العمال (ج / ۵۔ ح / ۲۵۱۲)

هندو مت

مہابھارت ۔ (۸) انیس احمد فلاحی

وجہ تسمیہ :۔ مہابھارت دو لفظوں سے مرکب ہے۔ "مہا" کے معنی عظیم کے آتے ہیں۔ اور "بھارت" یعنی ہندوستان۔ شروع میں اس کتاب کا نام "جے" یعنی فتح تھا پھر اسے بھارت سے موسوم کیا گیا اور جب اسے قبول عام حاصل ہوا تو اسے "مہابھارت" کا لقب دے دیا گیا کیونکہ یہ کتاب پرانے ہندوستان کی روایات، اساطیر اور دیو مالائی آئین کا مجموعہ ہے۔

زمانۂ تالیف :۔ مہابھارت ایک طویل تالیف ہے اس میں دو لاکھ چند ہزار اشعار ہیں اگرچہ روایتی اعتبار سے اس کے مؤلف "ویاس" "ویشمپاین" اور "سوتی" بتائے جاتے ہیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں مستقل اضافے ہوتے رہے زیادہ تر مورخین اس کا زمانہ تالیف ۵۰۰ سے ۵۰ ق م بتاتے ہیں۔

ڈاکٹر تارا چند کے بیان کے مطابق ۳۰۰ ق م اس کی تالیف عمل میں آئی اور اس وقت وہ ایک لاکھ اشعار پر مشتمل تھی (دیکھئے ہندوستانی تہذیب و ثقافت کی تاریخ)۔

مرکزی مضمون :۔ اس رزمیہ کا مرکزی قصہ راجہ بھرت کے اخلاف کوروں اور پانڈوں کے درمیان جنگ تخت نشینی ہے۔

سبب تالیف :۔ چھٹی صدی قبل مسیح میں آریہ تین فرقوں (وشنو مت، شیو مت، دیوی مت) میں تقسیم ہو گئے تھے اور چھوت چھات اور ذات پات کے خلاف دو عظیم تحریکیں (بدھ مت اور جین مت) وجود میں آ گئی تھیں جس کی وجہ سے آریائی تہذیب کو زبردست خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ اس خطرہ سے نمٹنے کے لئے آریوں کو اپنے باہمی اختلاف کو بھلا کر اتحاد کی ضرورت محسوس ہوئی جس کی خاطر ان کے علماء نے مہابھارت کو اکھٹا کر کے اتحاد کی بنیادیں فراہم کیں۔ اس کتاب میں تینوں فرقوں کے عقائد

کو سمو دیا گیا ہے۔ یہ کتاب شروع شروع میں ایک غیر جانبدار تصنیف تھی جسمیں ہندوستان کے بنیادی اتحاد پر نمایاں طور پر زور دیا گیا تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وشنو عقائد اور نظریات سے اسے بھر دیا گیا۔

مہابھارت کی کہانی :۔ مہابھارت کی رزمیہ داستان کوروؤں اور پانڈوؤں کے درمیان ایک جنگ ہے۔ جو ہستناپور (دہلی) کے قریب ہوئی۔ یہ مہابھارت اور پنچال قوموں کے درمیان ایک جنگ تھی۔ کورو اور پانڈو دونوں ایک ہی چندر بنسی خاندان کے تھے۔ کورو سو بھائی تھے جن کا سردار دریودھن تھا یہ دھرت راشٹر کے بیٹے تھے۔ پانڈو کے پانچ بیٹے تھے یودھشٹر، بھیم، ارجن، نکل اور سہدیو۔ پانڈو ہستناپور کا راجہ تھا۔ پانڈو کے مرنے کے بعد یودھشٹر راجہ بنا جو نابینا تھا چونکہ کوروؤں اور پانڈوؤں کے درمیان پرانی دشمنی تھی۔ کوروؤں نے پانڈوؤں کو ملک سے نکال دیا۔ پانڈوؤں بھارت کے مختلف علاقوں میں پھر کر وہاں کے راجاؤں سے مدد کی درخواست کرتے رہے ان میں ایک پانڈو نے پنچال کے راجہ کی بیٹی دروپدی کو سوئمبر کی ایک رسم میں جیتا اور اس سے شادی کر لی یہ تمام بھائیوں کی مشترک بیوی تھی۔

پانڈوؤں نے جلاوطنی سے واپس آکر ایک الگ شہر بسایا۔ کورو راجہ دریودھن اس بات سے سخت ناراض تھا۔ اس نے پانڈوؤں کو جوا کھیلنے کے لئے راضی کیا اور دھوکے سے جوے میں سب کچھ جیت لیا حتیٰ کہ پانڈو دروپدی کو بھی ہار گئے۔ شہر پر کوروؤں نے قبضہ کر کے انہیں نکال دیا اور دروپدی کو ذلیل کر کے انکے حوالے کر دیا۔

سب بھائی دروپدی کو لے کر جنگلوں میں گھومتے رہے آخر کار مختلف راجوں کی مدد سے دوبارہ کوروؤں پر حملہ کیا۔ اٹھارہ دن کی لڑائی میں تمام کورو شہزادے مارے گئے یودھشٹر نے دوبارہ تخت حاصل کر لیا۔

مہابھارت کی ہندوؤں میں اہمیت :۔ اس کتاب کو ہندوؤں میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ دیوتاؤں کے سامنے چاروں ویدوں کو ایک پلڑے میں اور مہابھارت دوسرے پلڑے میں رکھا گیا تو

مہابھارت کا پلڑا بھاری تھا۔ ہندو کہتے ہیں جو کوئی اس کتاب کا ایک مدھی پڑھے گا اس کے تمام گناہ دھل جائیں گے وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ کتاب آسمان پر لکھی گئی اور انسانی عہدنامے کے طور پر زمین پر پہنچائی گئی۔

مہابھارت کی خصوصیات :۔ مہابھارت کی خصوصیات درج ذیل ہیں۔

(۱) یہ دنیا کی سب سے طویل رزمیہ تالیف ہے۔

(۲) یہ کتاب قدیم ہندوستان کی روایات، اساطیر اور سیاسی و معاشی آئین کا بحر العلوم ہے اسے قدیم ہندوستان سے متعلق معلومات کا خزانہ کہا جا سکتا ہے۔

(۳) یہ کتاب اگرچہ جنگی داستان ہے لیکن اسمیں دیومالائی آئین اور اخلاقی درس ملا دئے گئے ہیں، اسمیں ہندو مت کی گہری ترین قدریں موجود ہیں جنگی اخلاق اور قانونی بنیاد ہے اسمیں ایک فرد کے اپنی ذات اور معاشرے کے لئے فرائض کا تذکرہ ہے۔

(۴) یہ زندگی بھرپور اور ابلتی ہوئی زندگی کا سرچشمہ ہے اسے ہندی فلسفہ کے اس تصور سے دور کا بھی تعلق نہیں جسمیں ترک دنیا اور زندگی کی بے حقیقتی پر زور دیا جاتا ہے۔

(۵) مہابھارت کی ایک اہم خصوصیت اس کا اجتماعی مفاد پر زور دینا ہے۔ اور یہ چیز اس لحاظ سے توجہ کے قابل ہے کہ عام طور پر ہندوستانی فلسفہ کے متعلق یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ ذاتی تکمیل کو اجتماعی مفاد سے زیادہ اہم سمجھتا ہے، مہابھارت میں ایک جگہ کہا گیا ہے کہ :"جس چیز میں اجتماعی مفاد نہ ہو یا جو کچھ کر کے تمہیں شرمندہ ہونا پڑے وہ ہرگز مت کرو۔

مہابھارت کی اخلاقی تعلیمات :۔ مہابھارت کا زیادہ تر حصہ اخلاق اور اصول اخلاق کے بیان پر مشتمل ہے۔ اسمیں سچائی، ضبط نفس، ترک لذات، کشادہ دلی، عدم تشدد، حسن عمل میں استقلال کو کامیابی کے ذرائع بتایا گیا ہے۔ ذات پات یا خاندان کو نہیں۔ مہابھارت کے بقول: "حسن عمل زندگی یا حیات جاودانی سے زیادہ بہتر ہے" "غم حقیقی مسرت کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔" "جو لوگ دولت کے حریص ہیں انکے متعلق کہا گیا ہے :"ریشم کا کیڑا اپنی دولت کے ہاتھوں مرتا ہے"۔

اخبار امت

بوسنیا: اجتماعی قبریں، سرب سفاکیت

محمد ظہیر الدین بھٹی

امریکہ جنگ ویت نام میں لاپتہ ہونے والے اپنے فوجیوں کو ابھی تک نہیں بھولا ہے اب تک قرار نہیں آیا۔ وہ ان کی تلاش میں سرگرم ہے اور اس مقصد کے لیے وہ سالانہ ۱۰۰ ملین ڈالر خرچ کرتا ہے۔ ان لاپتہ افراد کی تعداد صرف ایک ہزار ۸۹۲ ہے، جب کہ بوسنیا ہرزگووینا میں لاپتہ افراد کی تعداد ایک لاکھ سے زائد ہے۔ ان میں سے ۹۸ فی صد مسلمین ہیں جن میں سے ۳۰ فی صد بچے ہیں جن کی عمریں چھ ماہ اور ۱۶ سال کے درمیان ہیں، ۲۰ فی صد عورتیں ہیں جن کی عمریں ۱۹ اور ۱۰۲ سال کے درمیان ہیں۔ ۹۹ فی صد لاپتہ افراد مسلمان ہیں، جب کہ سرب اور کروٹ صرف ایک فی صد ہیں۔ معاہدہ ڈیٹن پر دستخط ہونے کے بعد سے لے کر اب تک ۲ ہزار ۵ سو اجتماعی قبریں دریافت ہو چکی ہیں۔ ان میں سے ۲ ہزار ۵ سو قبریں، لاپتہ افراد کی بین الاقوامی کمیٹی نے ڈھونڈی ہیں اور بقیہ کا کھوج بوسنیا کی تحقیقی کمیٹی نے لگایا ہے۔ اس کمیٹی کے سربراہ عمر ماشووچ ہیں۔ ان سے ایک ملاقات کی تلخیص یہاں دی جا رہی ہے۔

۲۱ نومبر ۱۹۹۵ء کو معاہدہ ڈیٹن پر دستخط کرنے کے بعد لاپتہ افراد کی تلاش کے بارے میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔ پہلے اس کا نام "کمیٹی برائے تبادلہ اسیران" تھا۔ اس معاہدہ کی چوتھی شق میں مختلف کمیٹیوں کو اپنا کام جاری رکھنے کی اجازت دی گئی تھی۔ لاپتہ افراد اور اجتماعی قبروں کی تلاش کے لیے ۳۰ افراد پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی گئی۔ اس کے دو حصے تھے۔ ایک حصے میں پانچ ارکان تھے جن کا کام صوبوں میں تلاش کے کام کی نگرانی تھا، جب کہ دوسرے حصے میں آٹھ حضرات تھے جنھوں نے سرائیوو میں رہ کر تلاش کے نتائج تیار کرنا اور ان کی توثیق کرنا تھا۔ اس کمیٹی کا مقصد ۱۹۹۲ء تا ۱۹۹۵ء کے عرصے میں مسلمانوں پر سربوں اور کروٹوں کی جانب سے مسلط کردہ جنگ کے دوران لاپتہ اور اجتماعی قبروں میں دفن کردہ افراد کی تلاش تھا۔ اس کمیٹی نے سرکاری طور پر اپنا کام اپریل میں

شروع کر دیا۔

لاپتہ افراد کی تلاش کی بین الاقوامی کمیٹی کے قواعد و ضوابط کی رو سے اجتماعی قبر وہ ہے جس میں پانچ یا اس سے زائد اشخاص کے ڈھانچے ہوں۔ اس تعداد سے کم، خواہ چار افراد کے ڈھانچے کیوں نہ ہوں، اجتماعی قبر شمار نہیں کی جاتی۔

لاپتہ افراد اور اجتماعی قبروں کی تلاش کے دوران، ہمیں دونوں عالمی جنگوں کے دوران کی بھی کئی اجتماعی قبریں ملیں۔ ان میں سے کچھ بوسناق شہر کے مسلمانوں کی تھیں۔ ہم نہیں جان سکے کہ ان کا تعلق کن علاقوں اور خاندانوں سے تھا۔ ہمیں ۵۰ جرمن فوجیوں کی بھی قبر ملی، جن کے ڈھانچے ہم نے سرائیوو کے جرمن سفارت خانے کے حوالے کر دیے۔

بوسنیا کی اجتماعی قبروں میں ہر قسم کے لوگ دفن ہیں، ان میں وہ بھی ہیں جن کا جنگ کے دوران بین الاقوامی قانون کی رو سے قتل ناجائز ہے جیسے ڈاکٹر، قیدی، معذور، علمائے دین اور عورتیں۔ ہم نے کچھ عرصہ قبل نوساوچی گاؤں میں ایک اجتماعی قبر دریافت کی جس میں ۳۴ افراد دفن تھے جن میں یہاں کے امام مسجد بھی شامل تھے۔ ایک اجتماعی قبر کوڑا کرکٹ کے ڈھیر سے ملی۔ ایک اجتماعی قبر کے اوپر مسجد گرا کر اس کا ملبہ ڈال دیا گیا تھا۔ ایسا دھوکہ دینے کے لیے کیا جاتا تھا۔ سراجیوو کے مضافات میں سمیزو واتش کے علاقے میں امام مسجد، اس کی بیوی اور چار بچوں کو مار ڈالا گیا، سب سے چھوٹے بچے کی عمر چار ماہ تھی۔ بوسنیا کے وسطی علاقے نجاپاکے گاؤں یابلانچ سے مسلمان بھاگے تو سربوں نے انھیں پکڑ کر واپس گاؤں چلنے کے لیے کہا اور کچھ نہ کہنے کا وعدہ کیا مگر گاؤں پہنچنے کے بعد انھیں ذبح کر ڈالا۔ ان کی تعداد ۳۰۰ تھی۔ پھر انھیں اجتماعی قبر میں پھینک دیا گیا۔ اس قبر کا کچھ عرصہ پہلے انکشاف ہوا ہے۔ ایک اجتماعی قبر میں سربوں نے مسلمانوں کی لاشوں کے ساتھ چار مردہ گھوڑے بھی پھینک دیے اور ان کے ساتھ دھماکہ خیز مواد باندھ دیا تھا۔

[illegible] گاؤں کی مسجد میں ہم نے سات مسلمان مقتول پائے۔ [illegible] بوسنیا کے گاؤں میں امام مسجد کو قتل کرنے کے بعد اس کی لاش مسجد کے دروازے پر لٹکا دی گئی۔ ائمہ مساجد کی ایک بڑی تعداد کو مختلف طریقوں سے قتل کیا گیا ہے۔ ابھی تک کئی امام مسجد لاپتہ ہیں۔

جب ہمیں کسی اجتماعی قبر کا پتا چلتا ہے تو ہم مقامی اور بین الاقوامی حکام کو مطلع کرتے ہیں۔ پھر کھدائی کرتے ہیں۔ مقتول کی شخصیت اور طریقۂ قتل جاننے کے لیے طبّی تجزیہ، ہڈیوں کی لمبائی اور لباس وغیرہ پر انحصار کیا جاتا ہے۔ ہم لاش کی شناخت کے لیے لوگوں کے بیانات کا تجزیہ کرتے ہیں۔ بین الاقوامی ادارے تو صرف انتہائی قریبی رشتے داروں (ماں، باپ، بیٹا، بیٹی) کے بیانات کو درست سمجھتے ہیں۔ مگر یہاں تو بعض ایسے خاندان ہیں جو پورے کے پورے ختم کر دیے گئے ہیں۔ ہم لوگوں کو بلاتے ہیں کہ وہ اپنے عزیزوں کو پہچانیں، پھر لاشوں کو کفناتے، نماز جنازہ ادا کرتے اور الگ الگ دفن کرتے ہیں۔ ہر قبر پر میت کا نام لکھتے ہیں۔

سب سے بڑی اجتماعی قبر زورنیک میں دریافت ہوئی جس میں ۲۷۰ مسلمانوں کے ڈھانچے تھے۔ اس کے بعد اوچ گاؤں کی اجتماعی قبر ملی جس میں ۱۸۸ مسلمان دفن تھے۔ اس کے بعد کلیہ شہر کی قبر ہے جس میں ۱۵۱ ڈھانچے تھے۔ فوچا میں ۷۰ مسلمان مرد و زن کو قتل کرنے کے بعد اکٹھا دفنایا گیا۔ اس قبر پر بوسنیا کی قدیم اور خوب صورت ترین مسجد "الاجا جامع" کا کچھ ملبہ ڈالا گیا۔ یہ مسجد چودھویں صدی میں تعمیر ہوئی تھی۔ یہ قبریں مختلف علاقوں میں ہیں، مثلاً پہاڑوں، جنگلوں، دریاؤں کے کنارے اور وادیوں میں۔ قبر زیر زمین گہرائی ۶ میٹر اور ۲۰ میٹر کے درمیان ہوتی ہے۔ جس اجتماعی قبر میں ہمیں ۱۸۸ ڈھانچے ملے، یہ سب سرب فوج کے کیمپ کے وسط میں تھی۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ بھیانک جرائم سربوں کی اعلیٰ سیاسی اور عسکری قیادت کے حکم سے ہوئے ہیں، آپ کو مسلمانوں کے اس قتل عام کے واقعات رکے بغیر سنانا چاہوں تو ختم ہونے میں نہ آئیں۔

دھاندلی یہ ہے کہ مغرب، لاپتا افراد کی تلاش وغیرہ کے سلسلے میں سربیا، کروشیا اور بوسنیا کو برابر مالی امداد دیتا ہے۔ بوسنیا کا فنڈ تین گروہوں یعنی مسلمانوں، آرتھوڈکس اور کیتھولک میں تقسیم ہوتا ہے حالانکہ سربوں اور کروٹوں کی کوئی اجتماعی قبر نہیں ہے۔ ہم نے صرف پچھلے ایک ماہ میں مختلف علاقوں کے مسلمان مرد و زن کے ۳۲۰ ڈھانچے دریافت کیے۔ سرب اور کروٹ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ انھوں نے اجتماعی قبر دریافت کی ہے۔ کبھی یہ لوگ اپنے فوجیوں کی لاشوں کو اجتماعی قبر ظاہر کر دیتے ہیں مگر کوئی بھی ان کی بات صحیح نہیں مانتا، اس لیے کہ سائنس، طب اور ارضیات کے

اس دور میں دھوکا دینا مشکل ہے۔

ابھی تک ۳۰۰ اجتماعی قبروں کا پتا نہیں چل سکا ہے۔ بوسنیائی مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ابھی تک بوسنیا سے باہر ہے۔ یہ پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ اس امر کے سب سے بڑے گواہ ہیں کہ مسلم شہریوں پر کیا گزری اور اجتماعی قبریں کہاں کہاں ہیں۔ یہ لوگ بتاتے ہیں کہ فلاں جگہ مسلمانوں کو مار ڈالا گیا اور وہ قاتلوں کو بھی پہچان سکتے ہیں۔ انھی اشخاص میں ایک ہائی اسکول کے مدرس تھے۔ یہ اوماراسکا کے سرب کیمپ میں گرفتار تھے مگر بچ نکلے۔ اس علاقے میں ہمیں ایک اجتماعی قبر ملی جس میں ۱۵۰ افراد کے ڈھانچے تھے۔ ہمیں مقتولین کے بارے میں کچھ نہیں پتہ چل رہا تھا۔ یہ مدرس آئے، انھوں نے ہمیں مدفون افراد کے نام بتائے، مقتولوں کی زیادہ تعداد ان کی کلاس کے طلبہ کی تھی۔ جرمنی اور دیگر ممالک میں مقیم بوسنیائی ہمیں اجتماعی قبروں کے بارے میں بتاتے ہیں لیکن وہ اس ڈر سے اپنے ملک میں نہیں آتے کہ کہیں وہ متعلقہ ملک کی شہریت سے محروم ہو جائیں اور یوں روزی روٹی سے بھی رہ جائیں۔

بین الاقوامی قوتوں کی سازباز: ہمیں معلوم ہوا ہے کہ مغربی ممالک نے بوسنیائی شہریوں کو عمداً بوسنیا سے نکل جانے پر مجبور کیا تھا تاکہ بوسنیا مسلمانوں سے خالی ہو جائے۔ وہ انھیں موت سے بچانے کا بہانہ رچتے تھے مگر اصل مقصد یہ تھا کہ یہ لوگ مسلم دفاعی افواج میں شامل نہ ہوں۔ فرانسیسی افواج نے گوراژدے کے صوبے میں ہزاروں سویلین مسلمانوں کے قتل عام کا مشاہدہ کیا مگر کسی قسم کی معلومات دینے سے انکار کر دیا۔ بریڈور میں ۲۲ ہزار مسلمان قتل ہوئے۔ فرانسیسی فوج کے ہیڈ کوارٹر سے ۱۸۰ اشخاص کو نکالا گیا اور پھر گڑھا کھود کر دفن کیا گیا۔ یہ سب کچھ فرانسیسی فوجیوں کے علم میں تھا مگر انھوں نے کچھ نہ بتایا۔ ہم نے خود اس قبر کو تلاش کیا، شہدا کے ڈھانچے نکالے، جنازہ پڑھا اور شہدا کے قبرستان میں دفن کیا۔ ہالینڈ کے عسکری کیمپ میں ۳ ہزار ۵ سو مسلم سویلین تھے جنھیں سربوں کے حوالے کر دیا گیا۔ جو ان کے ذبح کے بعد ہالینڈی فوجی سربوں کو دیکھ کر صلیب کا نشان بنا رہے تھے تو ٹیلی وژن کیمروں نے اسے ریکارڈ کیا اور بعد میں اسکرین پر دکھایا۔

کئی بین الاقوامی شخصیات، مختلف انداز سے بوسنیائی مسلمانوں کے قتلِ عام میں ملوث ہیں۔ چونکہ انھیں تحفظ حاصل ہے، اس لیے انھیں عدالت میں لانا ممکن نہیں ہے، جیسے بطرس غالی، یوسوشی آکاشی، کارل بلٹ، جنرل موریان، جنرل میجر کی۔ موخر الذکر پانچ مسلم دوشیزاؤں کو زبردستی کینیڈا بھیجنے کے جرم میں شامل ہے۔

ہالینڈ کی وزارتِ دفاع نے وہ تمام کیسٹیں جلا دیں جو ہالینڈ کے فوجیوں کی سربوں کے ساتھ ملی بھگت کا ثبوت تھیں۔ فرانسیسی فوجی، سرائیوو ایئرپورٹ پر صحافیوں کی تلاشی لیتے اور وہ کیسٹس چھین لیتے تھے جو مختلف جرائم کا ثبوت ہوتیں یا جن کا بین الاقوامی فوجیوں کے بالعموم اور فرانسیسی افواج کے بالخصوص جرائم سے تعلق ہوتا۔ بوسنیائی علم ہوا ہالینڈ کے میجر فانکن کے دفتر سے ایک رجسٹر ملا، جس میں اس نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا کہ ہالینڈ کی افواج کے کیمپ میں ۱۷۲ مسلم بوسنیائی شہری تھے، مگر تین کے سوا باقی سب کو قتل کر دیا گیا۔

لاپتا افراد کے عزیزوں کی حالتِ زار: بوسنیا کے بے شمار مسلمان لاپتا ہیں جن کے انجام سے کوئی واقف نہیں۔ ایک ماں نہیں جانتی۔ اس کا بیٹا زندہ ہے یا موت کے گھاٹ اتر چکا ہے۔ بیوی کو اپنے خاوند کے زندہ رہنے یا فوت ہو جانے کی خبر نہیں۔ موت کا یقین ہو جانے پر تو بالآخر صبر و قرار آ ہی جاتا ہے مگر لاپتا افراد کے عزیزوں کو کسی پل چین نہیں آتا۔ بہت سی نوجوان عورتوں کے خاوند لاپتا ہیں۔ ان عورتوں کی عمر ۱۸ سال سے ۲۰ سال کے لگ بھگ ہے۔ یہ جوان عورتیں سخت ذہنی کرب میں مبتلا ہیں۔ ہر روز ہمارے پاس لاپتا افراد کی مائیں آتی ہیں اور پوچھتی ہیں کہ ان کے بیٹوں کے بارے میں کچھ پتہ چلا؟ پھر کہتی ہیں کہ ہمیں کوئی ہڈی دے دو یا کوئی اور نشانی دے کر کہو کہ یہ تمھارے بیٹے کی ہے تاکہ ہم اس کی قبر بنائیں اور اس قبر پر جایا کریں۔ اسی طرح بیویاں اپنے لاپتا شوہروں کے بارے میں پوچھتی ہیں۔ ایک ماں کا بیٹا شہید ہو گیا تھا، وہ میرے پاس آئی ہے، اپنے بیٹے کے بارے میں جاننا چاہتی ہے تاکہ قبر پر جایا کرے۔ ایک ماں رامیز، ہماری کمیٹی کے دفتر میں قرآن شریف کے نسخے لے کر آئی اور کہا: "میرے بیٹے کی تلاش کے وقت قرآن شریف ساتھ رکھا کرو۔ وہ جہاں بھی، قرآن پاک کی موجودگی میں، اللہ کے حکم سے آپ کو کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔"

(بشکریہ ترجمان القرآن)

چند سعید روحوں کا قبولِ اسلام

ادارہ

مغرب میں اسلام قبول کرنے کے واقعات روز آئے دن پیش آتے رہتے ہیں۔ مندرجہ ذیل میں ان چند سعید روحوں کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جنھوں نے مغربی معاشرے میں رہ کر اسلام قبول کیا اور ہدایت یافتہ ہو گئے۔

یہ عبداللہ ہیں جنھوں نے خلیجی جنگ میں اسلام قبول کیا۔ ۱۹۹۰ء میں متحدہ افواج اور عراق کی جنگ کے دوران امریکی آرمی کے ساتھ سعودی عرب آئے تھے۔ اور ایک دن کچھ ضرورت کی چیزیں خریدنے بازار گئے۔ انھوں نے دوکاندار سے ایک چیز خریدی اور قیمت ادا کرنے ہی والے تھے کہ قریب کی مسجد سے اذان کی آواز آنے لگی۔ دوکاندار نے پیسے لینے سے انکار کیا، صرف اتنا کہا کہ اب اور وہ فی الفور مسجد چلا گیا۔ ہر شخص پیسے لینے کا حریص ہوتا ہے۔ لیکن یہ دوکاندار اذان کے بعد پیسے لینے کا بھی روادار نہیں ہوا۔ عبداللہ کو یہ تجربہ تھا۔ اور اس نے سوچنا شروع کیا کہ یہ کیسا مذہب ہے جس کے ماننے والے اذان ہوتے ہی مسجد کے لیے روانہ ہو جاتے ہیں اور قیمت قبول کرنے کے لیے بھی تیار نہیں ہوتے۔ اس نے دینِ اسلام کے بارے میں اپنا مطالعہ شروع کیا اور نتیجے کے طور پر ہدایت کے دروازے اس کے لیے کھل گئے۔ اب وہ امریکہ کے شہروں میں مسجدوں میں تقریریں کرتا ہے اور غیر مسلموں میں دعوت کے کام میں مشغول ہو گیا ہے۔ بیوی اور بیوی کی بہن کے علاوہ متعدد لوگوں نے اس کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔

جمس ۱۶ سال کا اسکول کا طالب علم تھا۔ اس نے اسکول کی لائبریری میں اسلام کے بارے میں ایک کتاب دیکھی، کتاب کا جب مطالعہ کیا تو اسلام کے بارے میں اس کا تجسس اور بڑھا تو اس نے ایک مسلمان سے رابطہ قائم کر لیا۔ اور اس سے اسلام کے بارے میں مختلف سوالات کے ذریعہ اپنی معلومات میں اضافہ کرتا رہا۔ اسے مسجد میں مسلمانوں کی عبادت کا طریقہ بہت پسند آیا۔ اسے یہ بات بہت پسند آئی کہ چرچ کے برخلاف مسجد میں کوئی تصویر نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ حضرت محمد ﷺ کی بھی مسلمان پرستش نہیں کرتے۔ وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ جمس نے اسلام قبول کر لیا اور عربی سیکھ کر اس نے مسجد میں اذان دینا شروع کر دیا۔ دین سے اس کا شغف بڑھتا گیا، اس نے رمضان کے آخری عشروں میں اعتکاف بھی کیا۔ اس نے ہندوستان کی ایک مسلمان لڑکی سے شادی کر لی۔ اس نے اپنا نام جمس ہی رکھا۔ میاں بیوی شکاگو میں یونیورسل

اسلامک اسکول چلاتے ہیں۔ آخر میں محسن کی ملاقات ایک صوفیوں کی جماعت سے ہوئی اور اب اس کے سر پر ایک بڑا عمامہ رہتا ہے۔ اور اس نے مغربی لباس کے مقابلہ میں مسلمانوں کا لباس اختیار کر لیا ہے۔

جینی پرائمری اسکول کی ایک طالبہ تھی اس نے کتابوں کی سیل میں اس زمانہ میں ایک کتاب خریدی یہ قرآن مجید کا ترجمہ تھا لیکن جینی کو کبھی اس کے مطالعہ کا موقع نہیں ملا تھا۔ جینی نے ہائی اسکول مکمل کیا پھر کالج میں مذاہب کے تقابلی مطالعہ کا موضوع اس نے منتخب کیا۔ اس کا خیال تھا کہ کالج کے اساتذہ مذاہب کے بارے میں گہری معلومات رکھتے ہیں۔ کالج کی تعلیم ختم کرنے کے بعد اچانک اس کی نظر بہت پہلے کی خریدی ہوئی کتاب پر پڑی جو اب گرد سے اٹی ہوئی تھی۔ اس نے گرد صاف کی اور کتاب کا مطالعہ کیا۔ قرآن کا یہ ترجمہ اس کے دل میں گھر کر گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ کالج کے اساتذہ نے اسلام کے بارے میں اسے جو کچھ بتایا تھا وہ نہ صرف یہ کہ ناقص تھا بلکہ غلط بھی تھا۔ اس نے کلمہ شہادت پڑھ کر اسلام قبول کر لیا اور ایک افغانی لڑکے سے شادی کر لی اور دونوں نے ملکر سیٹل میں جو واشنگٹن میں واقع ہے، خدمت اسلام کا کام شروع کر دیا۔

لاس انجلس میں ایک مسلمان عبد الوہاب نے ایک عیسائی لڑکی سے شادی کر لی۔ عبد الوہاب نام کے مسلمان تھے، نماز روزے سے ان کا تعلق نہ تھا جب اس شادی کے نتیجے میں دو بچے پیدا ہوئے تو عبد الوہاب کو فکر ہوئی کہ ان بچوں کو کس طرح مسلمان رکھا جائے اب عبد الوہاب نے مسجد جانا شروع کیا اس کے جواب میں اس کی عیسائی بیوی چرچ جانے لگی اگرچہ پہلے وہ نہیں جاتی تھی۔ عبد الوہاب نے اپنی بیوی کو مسجد چلنے کی دعوت دی تاکہ وہ اسلام سے مانوس ہو جائے اس کے جواب میں بیوی نے اس کو چرچ چلنے کی دعوت دی تصفیہ اس پر ہوا کہ ایک اتوار کو دونوں چرچ جایا کریں اور دوسرے اتوار کو دونوں مسجد جایا کریں گے۔ اس طرح سے انکی عیسائی بیوی اسلامی قدروں سے مانوس ہونے لگی اور پھر ایک دن اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اور اس کا نیا نام ریحانہ رکھا گیا۔ عبد الوہاب نے بھی اپنے اندر کافی تبدیلی پیدا کر لی اور وہ اسلامی تعلیمات پر کاربند ہو گیا ریحانہ نے مکمل طور پر اسلامی لباس پہننا شروع کر دیا اسے مسلمان خواتین پر حیرت ہوتی کہ وہ اسلام کے حجاب کے حکم پر عمل کیوں نہیں کرتی ہیں۔ حالانکہ اسلامی حجاب عورتوں کو باوقار بناتا ہے۔ اسے اس کا افسوس ہوتا ہے کہ مسلمان عورتیں احساس کمتری کی مریض ہیں اور مغربی عورتوں کی نقل میں عریانیت اختیار کرتی ہیں اور سر کو نہیں چھپاتیں ریحانہ نے اپنے والدین کو اسلام کی دعوت دی اور جب انکی والدہ بہت بیمار ہو گئیں تو وہ رونے لگی کہ کہیں اسی حالت میں انکی والدہ کا انتقال نہ ہو جائے اور ہمیشہ کے لئے جنت کا دروازہ ان پر بند ہو جائے۔

فقہ و فتاویٰ

ابو ارقم فلاحی

کیا تاریخی مندروں، کلیساؤں اور ان ہوائی اڈوں پر جہاں مجسمے رکھے ہوئے ہوں یا تصویریں ہوں انکے متولی کی اجازت سے نماز پڑھنا جائز ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ بالا مقامات پر مجبوری کی صورت میں (جیسے شدید ٹھنڈک یا کوئی متبادل جگہ نہ ہو) نماز پڑھنا جائز و درست ہے کیونکہ پوری روئے زمین مسلمانوں کے لئے سجدہ گاہ ہے سوائے نجس مقامات کے۔ ارشاد رسول ﷺ ہے:

"وجعلت لی الارض مسجدا، و طهورا، فایما رجل ادرکته الصلاة، فلیصل،، (رواه البخاری فی کتاب التیمم ۱/۸۶)

میرے لئے پوری زمین کو جائے سجدہ اور طہارت کا ذریعہ بنایا گیا ہے چنانچہ ہر شخص نماز کے وقت (خواہ وہ کہیں بھی ہو) نماز ادا کرلے۔

البتہ مسلمانوں کو چاہئے کہ ہوائی اڈوں اور ریلوے اسٹیشنوں اور ضروری مقامات کے پاس مسجدیں بنوانے کی کوشش کریں تاکہ چرچ وغیرہ میں نماز نہ پڑھنا پڑے، کیونکہ مذکورہ مقامات پر بیت اللہ کا اطلاق حرام ہے۔ لہٰذا بصورت مجبوری ہی ان مقامات پر نماز ادا کی جاسکتی ہے۔ نیز ادائیگی کے وقت اس امر کا بھی خیال رکھا جائے کہ مجسمے اور تصویریں سامنے نہ پڑ رہی ہوں اور اگر ان سے بچنا مشکل ہو تو کسی چیز کو پردہ کے طور پر استعمال کیا جائے۔

> آج ہم لوگ جن پریشانیوں سے گذر رہے ہیں اس کا سبب کتاب الٰہی کو چھوڑنا اور اسلام پر پوری طرح عمل کرنے سے گریز کرنا ہے۔
>
> مولانا حسین احمد مدنیؒ

جامعہ کے لیل و نہار

ادارہ

جمعیۃ الطلبہ کا افتتاحی ثقافتی پروگرام

سال نو کے ثقافتی پروگرام کی افتتاحی تقریب ۲۲؍۳؍۲۰۰۱ کو ابو اللیث ہال میں منعقد ہوئی جس کی صدارت ناظم جامعۃ الفلاح جناب مولانا ابو البقاء صاحب ندوی نے کی۔ پروگرام کا آغاز حافظ عبدالرقیب کی پرسوز تلاوت قرآن سے ہوا۔ عزیزم کی تلاوت کے بعد صدر جامعہ جناب مولانا طاہر صاحب مدنی نے اپنی افتتاحی تقریر میں فرمایا: "ثقافتی پروگراموں کی اہمیت مدارس میں غیر معمولی رہی ہے، یہ ہم نصابی سرگرمیوں کا اہم جز ہیں، اور ان کے ذریعے مختلف قسم کی صلاحیتیں پروان چڑھتی ہیں۔ اسی لئے جامعہ ہر سال آغاز سال ہی سے اس کی جانب خصوصی توجہ دیتا ہے۔" جمعیۃ الطلبہ کے ذمہ داروں نے اپنی تقریروں میں جمعیۃ کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی، اور اپنے شعبوں کے منصوبوں اور پروگراموں کا تذکرہ کرتے ہوئے طلبہ سے تعاون کی اپیل کی اور فرمایا کہ آپ کے تعاون کے بغیر جمعیۃ کے اغراض و مقاصد کی تکمیل ممکن نہیں۔

تقسیم انعامات کی تقریب

سیرت و کردار کی بلندی، نظم و ضبط کی پابندی، نماز باجماعت کے اہتمام اور حاضری وغیرہ کے لحاظ سے جن طلبہ کا ریکارڈ گذشتہ سال اچھا رہا ہے انہیں انعامات کے لئے منتخب کیا گیا اور یہ انعامات استاذ محترم مولانا عبدالحسیب صاحب اصلاحی کے ہاتھوں ۲۲؍۳؍۲۰۰۱ء کو تقسیم کئے گئے۔ انعامات پانے والے طلبہ کے اسماء درج ذیل ہیں۔

(۱) معراج الملک فلاحی کشمیری (فضیلت ۲۰۰۰ء) جامعہ کے مثالی طالب علم

(۲) شبیر احمد عربی پنجم — حسن البنا منزل کے مثالی طالب علم

(۳) عبدالرحمن عربی پنجم — حسن البنا منزل کے مثالی طالب علم

(۴) شمشیر پاشا عربی چہارم — حسن البنا منزل کے مثالی طالب علم

(۵) محمد اکمل — طیبہ منزل کے مثالی طالب علم

(۶) حافظ عبدالرقیب عربی دوم — طیبہ منزل کے مثالی طالب علم

(۷) مدثر عبداللہ عربی دوم — طیبہ منزل کے مثالی طالب علم

(۸) اسامہ رحمانی — شعبہ حفظ کے مثالی طالب علم

(۹) ابو معاذ فلاحی (فضیلات ۲۰۰۰ء) جملہ غیر [illegible] طلبہ میں مثالی طالب علم

(۱۰) محمد عادل درجہ ہشتم — شعبہ ثانوی کے مثالی طالب علم

(۱۱) اورنگ زیب احمد درجہ پنجم — شعبہ ابتدائی کے مثالی طالب علم

مسجد کے انتظامی کاموں میں حسن انتظام کا انعام درج ذیل تین طلبہ کو دیا گیا۔ محفوظ عالم عربی ششم، ضیاء الحق عربی ششم، زاہد اقبال عربی سوم۔ نیز معاصر عربی ادب پر خصوصی توجہ دینے کی وجہ سے حافظ منور علی عربی پنجم کو مہتمم جامعہ کی جانب سے خصوصی انعام سے نوازا گیا۔

نو واردان بساط چمن

مختلف انتظامی، تعلیمی اور تربیتی ضروریات کے لئے جن ارباب علم و آگہی کی خدمات جامعہ نے امسال حاصل کی ہیں ان کا مختصر تعارف ہدیہ قارئین ہے۔

مہتمم تعلیم و تربیت جناب مولانا رحمت اللہ اثری صاحب کی معاونت کے لئے جناب مولانا مقبول احمد صاحب فلاحی کی خدمات حاصل کی گئی ہیں، موصوف کو انتظامی امور کا طویل تجربہ ہے۔ ایک طویل عرصہ تک آپ حلقہ گورکھپور کے امیر رہ چکے ہیں۔

جناب ماسٹر محمد یٰسین صاحب ساکن علاء الدین پٹی کی تقرری شعبہ اعلیٰ میں انگریزی کے استاذ کی حیثیت سے ہوئی ہے۔ موصوف نے جامعۃ الفلاح سے عالمیت اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے انگریزی میں بی اے اور ایم اے کیا ہے۔

محترمہ شمیمہ شاہنواز صاحبہ اور محترمہ زرینہ بانو فلاحی صاحبہ کی خدمات شعبہ اعلیٰ کلیۃ البنات میں عربی زبان و ادب کی تدریس کے لئے حاصل کی گئی ہیں۔ شعبہ ابتدائی جامعۃ الفلاح میں محترم نسیم احمد فلاحی اور محترم افراز احمد اصلاحی اور شعبہ ثانوی کلیۃ البنات میں محترمہ نجمہ خانم صاحبہ اور شعبہ ابتدائی میں محترمہ شبانہ صاحبہ اور محترمہ اصفاء خاتون صاحبہ کی تقرری عمل میں آئی ہے۔

اللہ رب العزت ان تمام ہی اساتذۂ کرام کو اپنی تدریسی ذمہ داریاں حسن و خوبی انجام دینے کی توفیق بخشے۔

اظہار تعزیت:

یہ خبر دیتے ہوئے ہمیں بے حد تکلیف ہو رہی ہے کہ صدر انجمن قطر یونٹ جناب مولانا عرفان احمد شمسی فلاحی صاحب کے بڑے والد تقریباً [illegible] اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف صوم وصلوٰۃ کے پابند اور تحریک اصلاحی کے دیرینہ خادم تھے۔ اور جب مرکز رام پور تھا تو ان ایام میں آپ جماعت کے خازن تھے۔

ادارہ حیات نو پس ماندگان کے غم میں برابر کا شریک ہے اور خدا سے دست بدعا ہے کہ وہ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔ اور ان کے پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔

اعلان عام :۔ دفتر اہتمام سے موصول شدہ خبر کے مطابق:

ششماہی امتحان (۱۰ مئی بروز پنج شنبہ) شروع ہوگا اور آخری پرچہ ۲۲ مئی بروز پنج شنبہ ہوگا۔ تعطیل گرما کے بعد ۲۳ جون بروز شنبہ دوسری ششماہی کا آغاز ہوگا۔

"خونیں" قرآن

عراق کے صدر صدام حسین نے قرآن کا ایک انتہائی نادر الوجود اور عجوبہ روزگار نسخہ تیار کروایا ہے۔ کیونکہ خبر کے مطابق یہ قرآنی نسخہ کسی چیز کی روشنائی سے نہیں بلکہ خود ان کے جسم کے خون سے لکھا گیا ہے۔ اس خاص نسخے کی تیاری میں تین سال صرف ہوئے ہیں۔

عراقی انقلابی کمان کونسل کے نائب صدر عزت ابراہیم نے صحافیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "آپ تصور کر سکتے ہیں کہ اس عمل کے لئے خون کی کتنی مقدار درکار ہوئی ہوگی۔

واضح ہو کہ اس خونی قرآن کی تیاری کا مقصد طویل خون آشام سیاسی زندگی سے صدر عراق کے صحیح وسالم بچ نکلنے پر اپنی جانب سے خدا کا شکریہ ادا کرنا ہے۔

ملی گزٹ

۱۶/۳/۲۰۰۰ء

جمہور فقہاء کرام کے نزدیک خون نجس ہے لہٰذا اس سے قرآن کی کتابت در حقیقت اس کی اہانت ہے۔ اور صدام حسین کا یہ عمل ان کے باطنی خبث کی واضح دلیل ہے۔ (مصر)